کیرالا ریڈر

اردو-اختیاری

گیارہویں جماعت

Kerala Reader

URDU - OPTIONAL

Standard

XI

GOVERNMENT OF KERALA
DEPARTMENT OF EDUCATION

Prepared by

State Council of Educational Research and Training (SCERT)

Kerala.

2014

قومی ترانہ

جن گن من ادھی نایک جیہ ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا
دراوڑ اتکل بنگا
وندھیہ ہماچل یمنا گنگا
اچھل جل دھی ترنگا
توا شبھ نامے جاگے
توا شبھ آشش ماگے
گاہے توا جیا گاتھا
جن گن منگل دایک جئے ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
جیہ ہے جیہ ہے جیہ ہے
جیہ جیہ جیہ جیہ ہے!

عہدنامہ

ہندوستان میرا وطن ہے۔تمام ہندوستانی میرے بھائی اور بہن ہیں۔میں اپنے ملک سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اس کے متنوع اور بیش بہاورثے پر فخر ہے۔میں ہمیشہ اس کے شایانِ شان بننے کی کوشش کروں گا۔میں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا ادب کروں گا اور ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آؤں گا ۔میں اپنے ملک اور لوگوں سے عقیدت کا عہد کرتا ہوں،ان کی بھلائی اور خوش حالی میں میری خوشی مضمر ہے۔

آئینِ ہند

(حصّہء چہارم (A))

بنیادی فرائض :

۵۱ A بھارت کے ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ

۱) آئین پر کاربند رہے اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

۲) ان اعلیٰ مقاصد کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔

۳) بھارت کے اقتدارِ اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے ان کا تحفظ کرے۔

۴) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے، قومی خدمت انجام دے۔

۵) مذہبی، لسانی اور علاقائی و طبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

۶) ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اسے برقرار رکھے۔

۷) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے، بہتر بنائے اور جانداروں کے تئیں محبت و شفقت کا جذبہ رکھے۔

۸) دانشورانہ رویّے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی و اصلاحی شعور کو فروغ دے۔

۹) قومی جائداد کا تحفّظ کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

۱۰) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے اور متواتر ترقی سے کامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرم عمل رہے۔

۱۱) جو والدین یا سرپرست ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ بچّوں کو جن کی عمر چھ سال اور چودہ سال کے درمیان ہے، تعلیم کے مواقع فراہم کریں۔

پیارے بچّو!

گیارہویں جماعت کی درسی کتاب جوآپ کے ہاتھ میں ہے بڑی بیش قیمت ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب آپ کو بہت پسند آئے گی کیوں کہ آپ میں اردو زبان وادب سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اردو ادب کے اصنافِ نثر و نظم سے معیاری اور دلچسپ انتخاب کو پیش کیا گیا ہے۔اس میں افسانہ، ڈراما، مضمون، خط، قصیدہ، مثنوی کے علاوہ خوبصورت غزلیں، رباعیاں، نظمیں وغیرہ بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے اندر حبِ وطن، قومی یک جہتی، مذہبی رواداری، جنسی مساوات وغیرہ جذبوں کو ابھارنے اور آپ کی شخصیت کو سنوارنے کے تمام سامان موجود ہیں۔اس کو ترتیب دینے میں ریاستِ کیرالا کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ماہرین تعلیم کی کاوشوں کا بھی بڑا دخل ہے۔

میری آرزو ہے کہ آپ اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھائیں تا کہ آپ میں اردو زبان وادب سے دلچسپی پیدا ہو جائے اور آپ کی زبانی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

پروفیسر کے۔اے۔ہاشم
ڈائریکٹر
ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی
کیرالا

Text book Development Committee
Urdu - Standard XI (Optional)

Members

Aboobacker MC
HSST Urdu, GVHSS Pullanur

Abdulla K
HSST Urdu, HMYHSS Manjeri

Abdul Shukkoor K
HSST Urdu, St. Joshep's HSS Thalassery

Ahammedkutty Kalathil
Rtd. Teacher, Devathar HSS Tanur

Hameed K
HSST Urdu, Markaz HSS Karanthur

Nafeesa C
HSST Urdu, Union HSS Mambra

Sabida Moozhikkal
Asst. Pro.Urdu Gvot. College Malappuram

Santhosh N
HSST Urdu, Pandalloor HSS, Pandalloor

Vineesh T
HSST Urdu, GHSS Kottappuram

Experts

Dr. Aboobacker P.K
HOD Urdu,
Govt.College Malappuram

Dr. Muhammed Kaleem Zia
Asst. Prof. Urdu,
Ismail Yusuf College Mumbai

N. Moideen Kutty
Research Officer (Rtd.)
SCERT, Thiruvananthapuram.

E. Mohammed
HOD Urdu (Rtd.)
Govt. Brennen College Thalassery.

Dr. Syed Sajjad Hussain
Chairman & Prof. of Urdu
Madras University , Chennai

Dr. Syed Khaleel Ahamed
Prof. & HOD KUVEMPU University
Sahyadri, Shimoga

Artists

K. Tagore
Drawing Teacher
SNHS Sreekandeswaram, Poochakkal

Sabindas S.
Drawing Teacher
Chemmarathur, Vatakara

Academic Co-ordinator

Faisal Mavulladathil
Research Officer, SCERT, Thiruvananthapuram.

State Council of Educational Research and Training (SCERT)
Vidyabhavan, Poojappura, Thiruvananthapuram - 695 012

فہرست

۱)	غزل	ولؔی دکنی	غزل	07
۲)	اردو کا سفر	مرتّب	مضمون	11
۳)	بنجارہ نامہ	نظیرؔ اکبرآبادی	نظم	18
۴)	پھر کہو دلّی کہاں	مرزا غالبؔ	خط	24
۵)	رباعی	الطاف حسین حالیؔ	رباعی	29
۶)	شہزادہ غائب ہوگیا	میر حسنؔ	مثنوی	32
۷)	روشنی	پریم چند	افسانہ	37
۸)	غزل	میر تقی میرؔ	غزل	50
۹)	ایک آرزو	علامہ اقبالؔ	نظم	53
۱۰)	برج بانو	کنھیا لال کپور	طنز و مزاح	58
۱۱)	رباعی	تلوک چند محرومؔ	رباعی	67
۱۲)	بچپن کی باتیں	جواہر لال نہرو	آپ بیتی	70
۱۳)	زندگی سے ڈرتے ہو	ن۔م۔ راشد	نظم	76
۱۴)	غزل	مجروحؔ سلطان پوری	غزل	81
۱۵)	مولانا محمد علی جوہر مرحوم	مولوی عبدالحق	خاکہ	84
۱۶)	قطعہ	اخترؔ انصاری	قطعہ	91
۱۷)	زبانِ انقلاب	علی سردار جعفری	نظم	94
۱۸)	دارا شکوہ	محمد حسن	ڈراما	98
۱۹)	وطن کا لال چلا گیا	اسرار الحق مجازؔ	مرثیہ	129
۲۰)	غزل	پروینؔ شاکر	غزل	134
۲۱)	جیون ایک مداری پیارے	میراجیؔ	گیت	137

۱۔ غزل

جسے عشق کا تیر کاری لگے اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے
نہ چھوڑے محبت دمِ مرگ تک جسے یارِ جانی سُوں یاری لگے
نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار جسے عشق کی بے قراری لگے
ہر اک وقت مجھ عاشقِ زار کوں پیارے! تری بات پیاری لگے

وؔلی سوں کہے تو اگر اِک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

وؔلی

غزل

غزل کے معنی ہیں محبوب سے باتیں کرنا۔ بنیادی طور پر اس میں عشقیہ باتوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ آج کل اس میں دیگر مضامین بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل اردو کی مقبول ترین صنفِ سخن بن گئی ہے۔

غزل میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں پانچ یا سات شعر ہوتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے غزل کا ہر شعر اپنے آپ میں مکمّل ہوتا ہے۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں عام طور پر شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اس شعر کو مقطع کہتے ہیں۔

غزل گو شاعروں میں ولی محمد ولیؔ، خواجہ میر دردؔ، میر تقی میرؔ، مرزا اسد اللہ خان غالبؔ، مومن خان مومنؔ، نواب مرزا خان داغؔ، فضل الحسن حسرتؔ، جگرؔ، شوکت حسن خان فانیؔ، رگھوپتی سہائے فراقؔ، ناصرؔ کاظمی وغیرہ شامل ہیں۔

ولؔی دکنی

(۱۶۶۷ء تا ۱۷۰۷ء)

ولؔی دکنی اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک معزز صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ولؔی نے غزل میں تصوف کے موضوعات اور عشقیہ مضامین کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی زبان قدیم اردو (دکنی) ہوتے ہوئے بھی مشکل نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کو دکنی اور دہلوی اردو کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔

ولؔی سے پہلے دکن میں مثنوی زیادہ مقبول تھی۔ ولؔی نے غزل کو فروغ دے کر دکن کے شعری ادب میں اس کو ایک ممتاز درجہ عطا کیا۔ یوں تو ان سے پہلے بھی دکن میں غزلیں کہی گئی تھیں لیکن انھوں نے غزل کو جس خوبصورتی اور جس طرزِ اظہار سے آشنا کیا وہ انھیں کا حصّہ ہے۔

سرگرمیاں

۱) ولؔی ایک مشہور دکنی شاعر ہیں۔ اسی طرح کے چند دکنی شعرا کے نام لکھیے اور کسی ایک شاعر پر مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

۲) ولؔی کی غزلیں جمع کیجیے اور ایک پسندیدہ غزل ترنّم سے سنائیے۔

۳) ولؔی کی اس غزل سے پسندیدہ شعر چن لیجیے اور اس کا مفہوم لکھیے۔

۴) غزل کی مقبولیت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۲- اردو کا سفر

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

داغؔ کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ آج دنیا کے کونے کونے میں اردو کی دھوم مچ رہی ہے۔ امریکہ میں اردو کی نئی بستیاں قائم ہو رہی ہیں۔ سعودی عرب کے کئی شہروں میں اردو کے لیے ماحول سازگار ہو رہا ہے۔ چین سے اردو اخبار شائع ہوتے ہیں۔جاپان کی ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو تعلیم کا انتظام ہے۔ ماسکو ریڈیو میں کام کرنے والی روسی خاتون نے دیوانِ غالب کا ترجمہ روسی زبان میں کیا ہے۔لندن سے کئی اخبارات و رسائل اردو میں شائع ہو رہے ہیں۔ سنگاپور، موریشش وغیرہ ملکوں میں اردو کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ ریڈیو جرمنی میں اردو کے پروگرام ایک مدت سے نشر کیے جا رہے ہیں۔ آسٹریلیا، کینڈا، ناروے ،مصر اور مختلف خلیجی ممالک میں کئی انجمنیں اردو کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔سعودی عرب کے شاعر عمر سالمؔ کا مصرعہ ہے۔

'اردو کسی نواب کی جاگیر نہیں'

اردو خاص ہندوستانی زبان ہے۔ کھڑی بولی کے بطن سے اس کی پیدائش ہوئی۔ برج، ہریانوی، پنجابی جیسی بولیوں اور زبانوں کے میل ملاپ سے اردو نکھرتی گئی۔بارہویں صدی عیسوی میں ترکی، فارسی اور عربی زبانوں کے میل

جوں جوں اردو نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور اس کا دامن وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔

فارسی ترکی برج بھاشا پراکرتیں بہم
جب گلے ملتی گئیں اردو زبان بنتی گئی

شروع شروع میں یہ 'ہندوی' کے نام سے مشہور تھی۔ کوئی اسے 'ہندی' کہتا تو کوئی 'ہندوستانی'، کہیں 'ریختہ' اور کہیں 'اردوئے معلّیٰ' کے نام سے بھی یہ جانی جاتی تھی۔ آخرکار اس عظیم زبان کا نام 'اردو' پڑ گیا۔

غالبؔ نے فرمایا تھا۔

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

اس زبان کی پرورش و پرداخت میں تمام ہندوستانیوں کا برابر کا حصّہ رہا ہے۔ ہندوستان میں کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو مختلف زبانوں کے الفاظ کو اپنا تی ہے۔ ہر تہذیب سے ہم آہنگ ہے۔ اس طرح سے اردو مشترکہ تہذیب کی نمائندہ زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اردو زبان کو صوفیائے کرام کی آغوش میں پرورش پانے کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ اردو ، کبیر، رحیم جیسے سادھو سنتوں اور خواجہ بندہ نواز، امیر خسروؔ، میراں جی شمس العشاق، برہان الدّین جانم جیسے صوفیائے کرام کی زبان رہی ہے۔ یہاں بندہ نواز کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے۔

پانی میں نمک ڈال پھر گھولنا اسے
جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے

امیر خسؔرو کے دوہے، پہیلیاں اور کہہ مکرنیاں بہت مشہور ہیں۔ وہ ریختہ کے پہلے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ستار، طبلہ، پکھاوج وغیرہ موسیقی کے آلات کو انھوں نے تشکیل دی تھی۔ خیال، پہاڑی، ایمن کھلیاں وغیرہ کئی راگ انھوں نے ایجاد کیے تھے۔ اس طرح امیر خسؔرو نے ہندوستانی سنگیت کو مالا مال کیا تھا۔

مختلف بادشاہوں ، سلاطین اور نوابوں کی خدمات بھی اردو کے حق میں قابلِ ستائش ہیں۔ قطب شاہی ، عادل شاہی اور نظام شاہی سلاطین نے ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی میں کوئی کمی نہ کی۔ مغلیہ سلطنت نے بھی شاعروں کی عزّت افزائی کی ۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر مانے جاتے ہیں۔ بہادر شاہ ظفؔر ہندوستان کی آزادی کے لیے میدانِ جنگ میں اترے اور اپنی قسمت پر یوں نالاں ہیں۔

کتنا ہے بد نصیب ظفؔر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

نواب واجد علی شاہ اخؔتر کو انگریز لکھنؤ سے قید کر کے کلکتہ لے جانے لگے تو وہ شہرِ لکھنؤ سے یوں مخاطب ہوئے

درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

اردو زبان نے ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اردو کے شاعروں اور ادیبوں میں سرفروشی کا جذبہ پیدا کرنے میں اردو ادب نے بہت بڑا رول ادا کیا۔ بسمؔل عظیم آبادی کے اس شعر نے سارے ہندوستانیوں میں آزادی کا جوش بھر دیا۔

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اگرچہ اردو زبان کی پیدائش شمال میں ہوئی لیکن اردو ادب کی ابتدا دکن میں ہوئی۔ ولؔی اورنگ آبادی اردو کا عظیم شاعر مانا جاتا ہے۔ ولؔی جب دکن سے شمال پہنچا تو اس کے پاس اپنا دیوان بھی تھا۔ ولؔی کی دیکھا دیکھی اس زمانے میں خاں آرزؔو، مظہر جانِ جاناں، شاہ حاتؔم، شاکرناجی جیسے شعرا بھی خالص اردو میں شعر کہنے لگے۔

مشہور صوفی شاعر خواجہ میر دردؔ، غزلوں کے شہنشاہ میر تقی میرؔ، قصیدہ کے بادشاہ سوداؔ اور مثنوی کے سرتاج شاعر میر حسنؔ کا زمانہ شمال میں اردو شاعری کا سنہرا دور قرار دیا جاتا ہے۔

جب دہلی پر تباہیاں آئیں تو دہلی کے شعرا نے پریشان ہو کر رفتہ رفتہ لکھنؤ کا رخ کیا تو یہاں انھیں نواب آصف الدّولہ جیسے نواب کی سرپرستی ملی۔ زبان کی ترقی کے لیے دہلی کے بعد دوسرا مرکز لکھنؤ بنا۔ دبستانِ لکھنؤ کے مشہور شعرا میں مصحفؔی، جرأتؔ، آتشؔ، انیسؔ، دبیرؔ، امانتؔ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ ابراہیم ذوقؔ، غالبؔ، حکیم مومن خان مومنؔ، شیفتہؔ اور بہادر شاہ ظفرؔ کے زمانے میں اردو شاعری اپنے معراجِ کمال پر پہنچ گئی۔ غالبؔ نے اردو شاعری کا مزاج ہی بدل دیا۔ اردو شاعری کو مرزا غالبؔ پر ناز ہے۔

سر سید احمد خان، الطاف حسین حالیؔ، محمد حسین آزادؔ اور شبلی نعمانی کا زمانہ اردو ادب کا جدید دور مانا جاتا ہے۔ حالیؔ نے اردو شاعری کا دروازہ تمام لوگوں کے لیے کھول دیا۔ شاعری کا مزاج اور اس کے موضوع بدل گئے اور شاعری زندگی کے قریب ہوتی گئی۔

اقبالؔ کے کلام کے ساتھ ساتھ جوشؔ، جگرؔ، حسرتؔ وغیرہ کا کلام کافی مشہور ہوا۔ اردو زبان ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر ہوئی۔ سجاد ظہیر، فیض احمد فیضؔ، مجازؔ، مخدومؔ، کیفیؔ اعظمی، مجروحؔ سلطان پوری، علی سردار جعفریؔ، کرشن چندر، منٹو، عصمت، خواجہ احمد عباس، جیسے شعراء اور ادباء نے اردو ادب کو انقلابی نعروں سے پرزور بنادیا۔ جیسا کہ علی سردار جعفریؔ نے کہا ہے۔

بغاوت میرا مذہب ہے بغاوت دیوتا میرا
بغاوت میرا پیغمبر بغاوت ہے خدا میرا

اردو غزلوں کی زبان ہے۔ غزل اردو شاعری کی آبرو ہی نہیں بلکہ بہار اور نکھار بھی ہے۔ حسرت جے پوری نے کیا خوب کہا ہے۔

غزل ہی ہمارا انوکھا جہاں ہے
غزل پیار کی وہ حسین داستاں ہے

ولؔی میرؔ مومنؔ نے اس کو نکھارا
جگرؔ داغؔ غالبؔ نے اس کو سنوارا
اسے موسیقی نے گلے سے لگایا
غزل آج دنیا کے پیشِ نظر ہے

اردو ترقی میں انگریزوں کا بھی بڑا حصّہ ہے۔ ہندوستان میں حکومت کرنے کے لیے انگریز بھی اردو سیکھنے اور پڑھنے لگے۔ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج اسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ اس کالج کے پہلے پرنسپل تھے۔ اس ادارے سے کئی انگریزوں نے اردو زبان سیکھی۔ یہاں تک کہ اردو میں شعر و شاعری بھی کرنے لگے۔

اردو محض ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک طرزِ فکر بھی ہے اور ہماری مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار بھی۔

کہتے ہیں جسے ہندلمانی سنگم
تہذیب وہ اردو کی ہے گنگا جمنی

سرگرمیاں

۱) قومی یک جہتی کا جذبہ پیدا کرنے میں اردو نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک نوٹ لکھیے۔

۲) اردو کی ترقی میں صوفیائے کرام نے بڑی خدمات انجام دیں۔ چند صوفیائے کرام کے نام لکھیے۔

۳) کچھ ایسے اشعار لکھیے جن میں تحریکِ آزادی کے جذبہ کا اظہار ہو۔

۴) قومی یک جہتی اور حبّ وطن کے خیالات ظاہر کرنے والے چند اشعار جمع کر کے لکھیے۔

۵) کسی ایک بادشاہ پر نوٹ لکھیے جس نے اردو کی سرپرستی کی ہے۔

۶) غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول صنف ہے۔ چند 'غزل البم' جمع کیجیے اور گلوکاروں اور شاعروں کے نام لکھیے۔

۷) اردو کی تشکیل و تعمیر میں کن کن بولیوں اور زبانوں کا دخل رہا ہے؟

۸) اردو کی عالمگیر مقبولیت پر ایک نوٹ لکھیے۔

۳۔ بنجارا نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزّاق اجل کا لوٹے ہے، دن رات بجا کر نقّارا
کیا بدھیا بھینسا، بیل، شُتر، کیا گوئی پلّا، سر بھارا
کیا گیہوں، چاول، موٹھ، مٹر، کیا آگ، دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹّی پر پھر گھانس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصّوں میں بٹ جاوے گی
دھی، پُوت، جنوائی، بیٹا کیا، بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا، پھر دونے ہیں بیو پاری کے
کیا ساز جڑاؤ، زر، زیور، کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے، کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرد پھرا کر چابک کو، یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں، تو خاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ! اک بُھنگا آن نہ جھانکے گا

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

نظیرؔ اکبر آبادی

اشارے :

'بنجارا نامہ' نظیؔر اکبر آبادی کی مشہور نظم ہے۔ اس نظم میں انھوں نے مختلف طریقوں اور اشاروں سے انسان کی زندگی کی حقیقت بیان کی ہے۔ موت کب اور کیوں کر آئے گی۔ اس کی طرف بڑے ہی خوبصورت انداز میں اشارے کیے ہیں۔

انسان جو رشتوں ناتوں میں الجھ کر اپنے اصل کاموں سے دور بھاگتا رہتا ہے، دھن دولت جمع کرنے کے مختلف راستے اختیار کرتا رہتا ہے، الٹے سیدھے طریقوں سے مال و دولت اکٹھا کرتا رہتا ہے، لوگوں کی حق تلفی کرتا رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ اسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ جب موت کا فرشتہ آئے گا تو انسان کے تمام کاروبار رک جائیں گے اور وہ تمام مال و دولت دنیا ہی میں چھوڑ کر اکیلا اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

اس کا مال و دولت اس کے مرتے ہی حق داروں میں تقسیم ہو جائے گی، لوگ اس دولت کے لیے لڑیں گے مگر یہ دولت مرنے والے کے کسی کام نہ آئے گی۔

غرض نظیؔر اس نظم کے ذریعہ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اے انسان ! تو آخرت کی فکر کر اور اپنے اچھے اعمال پر توجہ دے کر اور برے اور غلط کاموں سے پرہیز کر۔

نظم

نظم شاعری کی ایک صنف ہے۔اس کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے، جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ خیال کا تدریجی ارتقا بھی نظم کی ایک خصوصیت ہے۔نظم کی مختلف قسمیں ہیں ، پابند نظم، آزاد نظم، نثری نظم وغیرہ۔

نظم کے لیے موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ کسی بھی موضوع پر نظم لکھی جا سکتی ہے۔ مگر اس میں ربط وتسلسل لازمی ہے۔نظم کے اشعار کی تعداد معین نہیں ہے۔نظم کئی ہیئتوں میں لکھی جاتی ہے۔نظیرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، اکبرؔ، حالیؔ، فیضؔ، چکبستؔ ، سردار جعفریؔ وغیرہ اردو کے مشہور نظم گو شعرا ہیں۔

نظیر اکبر آبادی

(۱۷۴۰ء تا ۱۸۳۰ء)

ولی محمد نام اور نظیر تخلص ہے۔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی آگرہ چلے آئے۔ متھرا میں معلّمی کے فرائض انجام دیے۔ نظیر نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کا مشاہدہ وسیع تھا۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ہندوستان کے رسم و رواج، میلوں ٹھیلوں، تفریحات و مشاغل پر نظیر نے بہت ساری نظمیں لکھی ہیں۔ نظیر کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ ان کی زبان انتہائی صاف اور سادہ ہے اور وہ اردو کے عوامی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱) نظم 'بنجارا نامہ' کا مرکزی خیال کیا ہے؟ گروہ میں بحث کرکے پیش کیجیے۔

۲) نظیؔر نے ہندوستان کے رسم و رواج، میلوں ٹھیلوں، تفریحات و مشاغل پر بہت نظمیں کہی ہیں۔
ان کی اہم نظموں کی فہرست تیار کیجیے اور ان نظموں کے چند پسندیدہ اشعار چن کر لکھیے۔

۳) 'سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا' سے کیا مراد ہے؟ اپنے خیالات پیش کیجیے۔

۴) اس نظم سے آپ کا پسندیدہ شعر چن لیجیے اور اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں واضح کیجیے۔

۴۔ پھر کہو دلّی کہاں؟

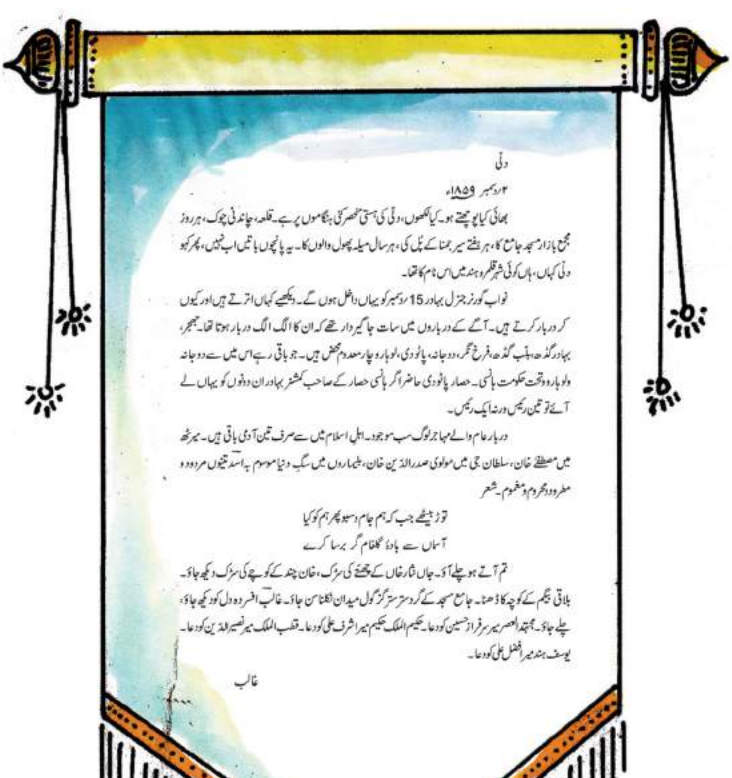
دلی

۲ردسمبر ۱۸۵۹ء

بھائی کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں، دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع بازار مسجد جامع کا، ہر ہفتے سیر جمنا کے پُل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلی کہاں، ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔

نواب گورنر جنرل بہادر 15 ردسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھیے کہاں اترتے ہیں اور کیوں کر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادر گڈھ، بلب گڈھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہارو چار معدوم محض ہیں۔ جو باقی رہے اس میں سے دوجانہ ولوہارو وتحت حکومت ہانسی۔ حصار پاٹودی حاضر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس۔

دربار عام والے مہاجر لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفےٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدرالدین خان، بلیماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسدؔ تینوں مردود و مطرود محروم و مغموم۔ شعر

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ۔ جاں نثار خاں کے چھتے کی سڑک، خان چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالبؔ افسردہ دل کو دیکھ جاؤ، چلے جاؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا۔ یوسف ہند میر افضل علی کو دعا۔

غالب

دلّی

۲ردسمبر ۱۸۵۹ء

بھائی کیا پوچھتے ہو۔ کیا لکھوں، دلّی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ لال قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز مجمع بازار مسجد جامع کا، ہر ہفتے سیر جمنا کے پُل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں، پھر کہو دلّی کہاں، ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔

نواب گورنر جنرل بہادر 15/ دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے۔ دیکھیے کہاں اترتے ہیں اور کیوں کر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر، بہادرگڑھ، بلّب گڑھ، فرخ نگر، دوجانہ، پاٹودی، لوہار و چار معدوم محض ہیں۔ جو باقی رہے اس میں سے دو جانہ ولوہارو وتحت حکومت ہانسی۔ حصار پاٹودی حاضر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس۔

دربار عام والے مہاجر لوگ سب موجود۔ اہلِ اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفٰے خان، سلطان جی میں مولوی صدرالدّین خان، بلیماروں میں سگِ دنیا موسوم بہ اسدؔ تینوں مردود و مطرود ومحروم و مغموم۔ شعر

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا

آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ۔ جاں نثار خاں کے چھتّے کی سڑک، خان چند کے کوچے کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھنا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالبؔ افسردہ دل کو دیکھ جاؤ، چلے جاؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدّین کو دعا۔ یوسف ہند میر افضل علی کو دعا۔

غالبؔ

مکتوب نگاری

بعض اہل قلم نے مکتوب نگاری کو ایک لطیف فن قرار دیا ہے۔ایسے خطوط بڑی تعداد میں موجود ہیں جن میں اعلیٰ تخلیقی ادب کی شان پائی جاتی ہے۔

مکتوب نگاری شخصی اظہار کی ایک شکل ہے۔مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ایک شخص ہوتا ہے۔ جب کہ ادب کی دوسری اصناف میں ایک ساتھ کئی لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ کچھ ادیبوں نے ایسے عمدہ خط لکھے ہیں کہ اب مکتوب نگاری کو ایک ادبی صنف کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ ایسے خطوط کا مطالعہ اس اعتبار سے اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔

مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ہو، اگرمکتوب نگار کی تحریر میں کشش ہوتو خط ہر پڑھنے والے کے لیے دلچسپ ہوسکتا ہے۔ اچھے خطوط ادب پاروں کے طور پر پڑھے جاتے ہیں۔ اردو نثر کی روایت میں غالبؔ،شبلیؔ، مہدی افادی، رشید احمد صدیقی، منٹو، میراجیؔ، ابوالکلام آزادؔ وغیرہ کے خطوط نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

مرزا غالبؔ

(۱۷۹۷ء تا ۱۸۶۹ء)

مرزا غالبؔ کا شمار اردو کے صف اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں ۔ ان کی شاعری کا مجموعہ دیوانِ غالبؔ کے نام سے شائع ہوکر مقبولِ خاص و عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ شاعر کے علاوہ نثر نگار کی حیثیت سے بھی وہ مقبول ہیں۔ ان کے اردو خطوط کے مجموعے عودِ ہندی اور اردوئے معلّیٰ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے خطوط میں اردو نثر کی ادبی شان، اُن کے اپنے زمانے کے حالات، ادبی مباحث پر گفتگو اورسب کچھ موجود ہے۔ان کے خطوط میں تخاطب کا وہ پیرا یہء بیان استعمال کیا گیا ہے جس سے خط مکالمہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔

ان کے خطوط کے بارے میں مولانا الطاف حسین حالیؔ کہتے ہیں کہ ”مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ مرزا سے پہلے نہ کسی نے اردو میں خط و کتابت اختیار کیا اور نہ ہی ان کے بعد کسی سے اس کی پوری تقلید ہو سکی۔“

سرگرمیاں

۱) غالبؔ کے خطوط کی چند خصوصیات بیان کیجیے۔

۲) اس خط میں دلّی کی تاریخی عمارتوں کا ذکر ہے۔ کسی ایک تاریخی عمارت پر مختصر مضمون لکھیے۔

۳) اردو کے چند ادیب خطوط نگاری میں بھی مشہور ہیں۔ ان کی ایک فہرست تیار کیجیے۔

۴) آپ نے کئی تفریحی سفر کیے ہوں گے۔ کسی ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دوست کے نام ایک خط لکھیے۔

۵) مختلف ادیبوں کے چند خطوط جمع کیجیے اور خطوط کا خصوصی شمارہ تیار کیجیے۔

۵- رباعی

ہیں جہل میں عالم و جاہل ہمسر
آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا
جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنی خبر

حالؔی

رباعی

چار مصرعوں پر مشتمل مختصر نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ اس کو دو بیتی بھی کہتے ہیں۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ اکثر ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔ تیسرا مصرعہ ردیف اور قافیہ کا پابند نہیں ہوتا۔ ایسی رباعیاں بھی لکھی گئی ہیں جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ چوتھا مصرعہ رباعی کا نچوڑ یا اصل ہوتا ہے۔ رباعی میں عام طور پر اخلاقی، اصلاحی، مذہبی اور فلسفیانہ مضامین باندھے جاتے ہیں۔ انیسؔ، حالؔی، اکبرؔ، امجدؔ، فراقؔ، شادؔ، چند اہم رباعی گو شاعر ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالؔی

(۱۸۳۷ء تا ۱۹۱۴ء)

مولانا الطاف حسین حالؔی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ تحصیلِ علم کے شوق میں دہلی چلے آئے۔ یہاں غالبؔ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اردو وفارسی شاعری میں انھوں نے غالبؔ کی شاگردی اختیار کی۔ وہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے۔ان کی صحبت میں حالؔی کا ادبی مذاق نکھرتا گیا۔

پھر وہ ملازمت کے سلسلہ میں لاہور چلے گئے۔ وہاں گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہو گئے۔ وہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی گئی عبارت پر نظر ثانی کرتے تھے۔وہاں انھیں مغربی خیالات اور جدید علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا۔ یہاں رہتے ہوئے ان کو اردو نثر و نظم کی اصلاح کا خیال آیا۔ یہیں محمد حسین آزادؔ سے مل کر جدید اردو نظم کی بنیاد ڈالی۔

ان کی کتاب ''مقدمہ شعر وشاعری'' اردو شاعری کی تنقید پر پہلی باقاعدہ کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ حالؔی نے نظم ، غزل، رباعی، مرثیہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

سرگرمیاں

۱) اردو کے مشہور رباعی گو شعرا کی ایک فہرست تیار کیجیے۔
کسی ایک پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۲) اس رباعی کا مفہوم واضح کیجیے۔

۳) علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے والے چند اشعار چن کر لکھیے۔

۴) حالؔی کے خیال میں ایک عالم اور جاہل میں کیا نمایاں فرق ہے؟

۵) اس رباعی کے ذریعے حالؔی ہمیں کیا سبق دینا چاہتے ہیں؟

۶- شہزادہ غائب ہوگیا

یہاں کا تو قصّہ میں چھوڑوں یہاں — ذرا اب سنو غم زدوں کا بیاں
کروں حال ہجراں زدوں کا رقم — کہ گذرا جدائی سے کیا اُن پہ غم
کُھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں — تو دیکھا کہ وہ شاہ زادہ نہیں
نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو — نہ وہ گُل ہے اس جا، نہ وہ اس کی بُو
رہی دیکھ یہ حال حیران کار — کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی — کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بِلبلاتی سی پھرنے لگی — کوئی ضعف ہو ہوکے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ، دل گیر ہو — گئی بیٹھ، ماتم کی تصویر ہو
رہی کوئی اُنگلی کو دانتوں میں داب — کسی نے کہا: گھر ہوا یہ خراب
نہ بن آئی کچھ ان کو اس کے سوا — کہ کہیے یہ احوال اب شہہ سے جا
سنی شہہ نے القصّہ جب یہ خبر — گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر!
کلیجہ پکڑ ماں تو بس رہ گئی — کلی کی طرح سے بکس رہ گئی
کہا شہہ نے وہاں کا مجھے دو پتا — عزیزو! جہاں سے وہ یوسف گیا
گئے لے دو شہہ کو لبِ بام پر — دکھایا کہ سوتا تھا یہاں سیم بر
یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا — کہا: ہائے بیٹا، تو یہاں سے گیا!

مرے نوجواں! میں کدھر جاؤں پیر | نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر!
عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں | غرض جان سے تو نے کھویا ہمیں
کروں اس قیامت کا کیا میں بیاں | ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں
لبِ بام کثرت جو یک سر ہوئی | تلے کی زمین ساری، اوپر ہوئی

شب آدھی، وہ جس طرح سوتے کٹی
رہی تھی جو باقی، سو روتے کٹی

میر حسنؔ

اشارے:

میر حسنؔ کی مثنوی 'سحر البیان' تقریباً دو سو سال پہلے لکھی گئی ہے۔ سادگی اور جادو بیانی اس کی خوبیاں ہیں۔ اسی لیے اس کا نام 'سحر البیان' رکھا گیا ہے۔ اس مثنوی میں ایک بادشاہ کا ذکر ہے جس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بہت منتوں مرادوں کے بعد اس کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جو بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس لیے اس کا نام بے نظیر رکھا گیا۔ نجومیوں کے کہنے کے مطابق شہزادے کے لیے بارہ سال خطرناک تھے۔ اس لیے اسے کھلے آسمان کے نیچے نہیں جانا تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بارہ سال پورے ہونے سے چند گھڑیاں پہلے شہزادہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ چھت پر سو رہا تھا کہ ایک پری اس پر عاشق ہو گئی اور اسے اڑا کر لے گئی۔ اس مثنوی میں شہزادے کے غائب ہونے کے بعد محل کے اندر جو آہ و فغاں کا طوفان اٹھا اس کی عکّاسی بہت پر اثر انداز میں کی گئی ہے۔

استعارہ:

نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہ رو
نہ گُل ہے اس جا نہ وہ اس کی بُو

اس شعر میں شہزادہ کو 'گل' اور 'ماہ رو' کہا گیا ہے۔ اس طرح کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کی جگہ دوسرے کسی معنی میں استعمال کرنے کو 'استعارہ' کہتے ہیں۔

مثنوی

اردو کے اصنافِ سخن میں مثنوی ایک کارآمد صنف ہے۔ مثنوی، مسلسل اشعار کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثنوی کے اشعار کی تعداد سیکڑوں سے ہزاروں تک ہوسکتی ہے۔ اردو میں طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔

مثنوی میں رزم و بزم، حسن و عشق، پندونصیحت، مدح و ہجو ہر طرح کے موضوعات نظم کیے جا سکتے ہیں۔ قدیم مثنویوں میں زیادہ تر عشقیہ قصّے اور مذہبی و اخلاقی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ ان عشقیہ قصّوں میں وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جو نثری داستانوں میں ملتی ہیں۔ فوق الفطری عناصر کے علاوہ مثنویوں میں اس زمانے کی تہذیب و معاشرت کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ حالؔی اور آزادؔ کے زمانے سے مثنویوں کے اسلوب اور موضوعات میں نمایاں فرق آیا ہے۔ اس کے بعد اس میں مختلف موضوعات و مسائل نظم کیے جانے لگے۔ مثنویوں میں میر حسؔن کی 'سحر البیان' اور دیا شنکر نسیمؔ کی 'گلزارِ نسیم' بہت مشہور ہیں۔

میر حسن

(۱۷۳۸ء تا ۱۸۸۶ء)

غلام میر حسن دلّی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر ضاحک اور پوتے میر انیس بھی بڑے شاعر تھے۔ میر حسن میر درد کے شاگرد تھے۔ جب دلّی اجڑ گئی تو وہ لکھنؤ پہنچ گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کی شہرت کا دار ومدار مثنوی سحر البیان پر ہے۔ سحر البیان کی شہرت اور مقبولیت کے سامنے دوسرے بہت سے شعرا کی مثنویاں اور خود میر حسن کی دوسری مثنویاں ماند پڑ گئیں۔

ان کی مثنویوں میں منظر نگاری ،واقعہ نگاری اور کردار نگاری کو دلچسپ اور متحرک شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ کہانی کو مربوط طریقے سے بیان کرنے میں انھیں خاص مہارت حاصل تھی۔ ان کی مثنوی مختلف اشیاء کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی کی کہانی اگر چہ بالکل خیالی ہونے کے باوجود اس کے واقعات اور کردار جیتے جاگتے اور ہماری ہی دنیا کے معلوم ہوتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱) یہ مثنوی پڑھ کر تحسینی نوٹ لکھیے۔

۲) اس مثنوی کو کہانی کی شکل میں لکھیے۔

۳) مثنوی اور غزل میں کیا فرق ہے؟ واضح کیجیے۔

۴) چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

اقبالؔ کی نظم 'جگنو' کے اس شعر سے استعارہ چن کر لکھیے۔

۵) ایسے دو اشعار لکھیے جن میں استعارہ کا استعمال ہوا ہو۔

۶) چند مثنوی گو شاعروں اور ان کی مشہور مثنویوں کی فہرست تیار کیجیے۔

۷۔ روشنی

آئی سی ایس کا امتحان پاس کر کے میں ہندوستان آیا تو مجھے ممالک متحدہ کے ایک کوہستانی علاقے میں ایک سب ڈویژن کا چارج ملا۔ پہاڑ کے دامن میں میرا بنگلہ تھا۔ بنگلے ہی پر کچہری کر لیا کرتا تھا۔ اگر کوئی شکایت تھی تو یہ کہ سوسائٹی نہ تھی۔ اس لیے سیر وشکار اور اخبارات و رسائل سے اس کمی کو پورا کرتا تھا۔

بہار کا موسم تھا۔ پھاگن کا مہینہ۔ میں دورے پر نکلا۔ لندھوارے کے تھانے کا معائنہ کر کے گجن پور کے تھانے کو چلا۔ کوئی اٹھارہ میل کی مسافت تھی مگر منظر نہایت سہانا تھا۔ دھوپ میں کسی قدر تیزی تھی مگر ناخوش گوار نہیں۔ ہوا میں بھینی بھینی خوشبو تھی۔ آم کے درختوں میں بور آ گئے تھے اور کویل کو کنے لگی تھی۔ میں نے گھوڑے کی گردن سہلائی اور کہا ''چلو بیٹا، چلو۔ ڈھائی گھنٹے کی

دوڑ ہے۔ شام ہوتے ہوتے گجن پور پہنچ جائیں گے۔'' ساتھ کے ملازم پہلے ہی روانہ کر دیے گئے تھے۔

جابجا کاشت کار کھیتوں میں کام کرتے نظر آرہے تھے۔ ربیع کی فصل تیار ہو چکی تھی۔ اوکھ اور خربوزے کے لیے زمین تیار کی جا رہی تھی۔ ذرا ذرا سے مزرعے تھے۔ وہی باوا آدم کے زمانے کے بوسیدہ ہل، وہی افسوس ناک جہالت، وہی شرم ناک نیم برہنگی۔ گورنمنٹ لاکھوں روپیے زراعتی اصلاح پر خرچ کرتی ہے۔ نئ نئ تحقیقات اور ایجادات ہوتی ہیں، ڈائرکٹر، انسپکٹر سب موجود مگر حالت میں کوئی اصلاح، کوئی تغیر نہیں۔

میں انہی خیالات میں ڈوبا ہوا چلا جا رہا تھا۔ دفعتاً ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا جسم میں لگا تو میں نے سراو پر اٹھایا۔ مشرق کی جانب آسمان گرد آلود ہو رہا تھا۔ افق گرد وغبار کے پردے میں چھپ گیا تھا۔ آندھی کی علامت تھی۔ میں نے گھوڑے کو تیز کیا لمحہ بہ لمحہ غبار کا پردہ وسیع اور بسیط ہوتا گیا۔ میرا راستہ بھی مشرق ہی کی جانب تھا۔ گویا میں یکّہ وتنہا طوفان کا مقابلہ کرتے دوڑا جا رہا تھا۔ ہوا تیز ہوگئی۔ پردۂ غبار سر پر آ پہنچا۔ دفعتاً میں گرد کے سمندر میں ڈوب گیا۔ ہوا اتنی تند تھی کہ کئی بار میں گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ سر سراہٹ اور گڑ گڑاہٹ تھی کہ الاماں۔ گویا فطرت نے آندھی میں طوفان کی روح ڈال دی ہو۔ مارے گرد کے کچھ سوجھتا نہ تھا۔ یہاں تک کہ راستہ بھی نظر نہ آتا تھا۔

میں گھوڑے کی گردن سے چمٹ گیا اور اس کی ایالوں میں منہ چھپا لیا

کیوں کہ سنگریزے گرد کے ساتھ اُڑ کر منہ پر اس طرح لگتے تھے، جیسے کوئی کنکریوں کو پچکاری میں بھر کر مار رہا ہو۔ ایک عجیب دہشت مجھ پر مسلط ہو گئی۔ کسی درخت کے اکھڑنے کی آواز آتی تو پیٹ میں میری آنتیں تک سمٹ جاتیں۔ کہیں کوئی درخت پہاڑ سے مجھ پر گرے تو یہیں رہ جاؤں۔ طوفان میں بڑے بڑے تو دے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ کوئی تو دہ لڑھکتا ہوا آ جائے تو بس خاتمہ ہے۔ ہلنے کی بھی تو گنجائش نہیں۔ اور پہاڑی راستہ کچھ سجھائی دیتا نہیں۔ ایک قدم داہنے بائیں ہو جاؤں تو ایک ہزار فٹ گہرے کھڈ میں پہنچ جاؤں۔ عجیب ہیجان میں مبتلا تھا۔ کہیں شام تک طوفان جاری رہا تو موت ہی ہے۔ رات کو کوئی درندہ آ کر صفایا کر دے گا۔ دل پر بے اختیار رِقّت کا غلبہ ہوا۔ موت بھی آئی تو اس حالت میں کہ لاش کا بھی پتہ نہ چلے۔ افوہ! کتنے زور سے بجلی چمکی ہے کہ معلوم ہوا ایک نیزہ سینے کے اندر گھس گیا۔

دفعتاً جھن جھن کی آواز سن کر میں چونک پڑا۔ اس گھبراہٹ میں بھی جھن جھن کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، جیسے کوئی سانڈنی دوڑی آ رہی ہو۔ سانڈنی پر کوئی سوار تو ہوگا ہی مگر اسے راستہ کیوں کر سوجھ رہا ہے۔ کہیں سانڈنی ایک قدم بھی ادھر ادھر ہوتو بچہ تحت الثریٰ میں پہنچ جائے۔ کوئی زمیندار ہوگا۔ مجھے دیکھ کر شاید پہچانا بھی نہیں۔

ایک لمحے میں جھن جھن کی آواز قریب آ گئی۔ میں نے دیکھا ایک جوان

عورت سر پر ایک کھانچی رکھے قدم بڑھاتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ دس گز کے فاصلے سے بھی اس کا صرف دھندلا سا عکس نظر آیا۔ وہ عورت ہو کر اکیلی مردانہ وار چلی آ رہی ہے۔ نہ آندھی کا خوف، نہ ٹوٹنے والے درختوں کا اندیشہ، نہ چٹانوں کے گرنے کا غم۔ گویا یہ بھی کوئی روز مرّہ کا معمولی واقعہ ہے۔ مجھے غیرت کا احساس کبھی اتنا شدید نہ ہوا تھا۔

میں نے جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھا اور اس سے کہا ''اوعورت! گجن پور یہاں سے کتنی دور ہے؟'' میں نے پوچھا تو تھا بلند لہجے میں مگر آواز دس گز نہ پہنچی ۔عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں ۔ میں نے چیخ کر پکارا '' اوعورت ! ذرا ٹھہر جا ۔ گجن پور یہاں سے کتنی دور ہے؟'' عورت رُک گئی پھر قریب آ کر مجھے دیکھا ۔ ذرا سا سر جھکا کر اس نے کہا '' کہاں جاؤ گے ؟''

'' گجن پور کتنی دور ہے؟''

'' چلے آؤ۔ آگے ہمارا گاؤں ہے۔ اس کے بعد گجن پور ہے۔''

''تمھارا گاؤں کتنی دور ہے؟''

''وہ کیا، آگے دکھائی دیتا ہے۔''

'' تم اس آندھی میں کہیں رک کیوں نہیں گئیں؟''

''چھوٹے چھوٹے بچے گھر پر ہیں ۔ کیسے رک جاتی! مرد تو بھگوان کے گھر چلا گیا۔''

آندھی کا ایسا ریلا آیا کہ میں شاید دو تین قدم آگے کھسک گیا۔ اس عورت کا کیا حشر ہوا مجھے خبر نہیں۔ میں وہیں کھڑا رہ گیا۔دل نے کہا ''اس عورت کے لیے زندگی میں کیا راحت ہے۔کوئی ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا ہوگا۔ دو تین فاقہ کش بچے۔ بے کسی میں موت کا کیا غم! موت تو اسے باعثِ نجات ہوگی۔ میری حالت اور ہے۔ زندگی اپنی تمام دل فریبیوں اور رنگینوں کے ساتھ میری ناز برداری کر رہی ہے۔ میں اسے کیوں خطرے میں ڈالوں؟'' میں نے پھر گھوڑے کی ایالوں میں منہ چھپا لیا۔شتر مرغ کی طرح جو خطرے سے بچنے کی راہ نہ پاکر بالو میں منہ چھپا لیتا ہے۔

وہ آندھی کی آخری سانس تھی۔ اس کے بعد بتدریج زور کم ہونے لگا۔ کوئی پندرہ منٹ میں مطلع صاف ہو گیا۔ نہ گرد و غبار کا نشان تھا نہ ہوا کے جھونکوں کا۔ ہوا میں ایک فرحت بخش خنکی آ گئی تھی۔سامنے ایک پہاڑی تھی۔اس کے دامن میں ایک چھوٹا سا موضع تھا۔ میں جوں ہی اس گاؤں میں پہنچا تو دیکھا وہی عورت ایک بچّے کو گود میں لے کر میری طرف آ رہی تھی۔قریب آ کر اس نے پوچھا ''تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں ڈری کہ تم رستہ نہ بھول گئے ہو۔تمھیں ڈھونڈنے جا رہی تھی۔''

میں نے اس کی انسانیت سے متاثر ہو کر کہا ''میں اس کے لیے تمھارا بہت ممنون ہوں۔آندھی کا ایسا ریلا آیا کہ مجھے رستہ نہ سوجھا۔ میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ یہی تمھارا گاؤں ہے؟ یہاں سے گجن پور کتنی دور ہوگا؟''

''بس کوئی دھاپ بھر سمجھ لو۔ راستہ بالکل سیدھا ہے۔ کہیں دہنے بائیں مڑیو نہیں ۔سورج ڈوبتے پہنچ جاؤ گے۔''

''یہی تمھارا بچہ ہے؟''

''نہیں ایک اور اس سے بڑا ہے۔ جب آندھی آئی تو دونوں نمبر دار کی چو پال میں جا کر بیٹھے تھے کہ جھونپڑیا کہیں اُڑ نہ جائے۔ جب سے آئی ہوں یہ میری گود سے نہیں اترتا۔ کہتا ہے تو پھر کہیں بھاگ جائے گی۔ بڑا شیطان ہے۔ بڑا لڑکوں میں کھیل رہا ہے۔ محنت مزدوری کرتی ہوں بابو جی! ان کو پالنا تو ہے۔ اب میرے کون بیٹھا ہے۔ جس پر ٹیک کروں، گھاس لے کر بیچنے گئی تھی۔ کہیں جاتی ہوں تو من ان بچّوں میں لگا رہتا ہے۔''

اس دہقانی عورت کے بے لوث اندازِ گفتگو، اس کی سادگی اور جذبہء مادری نے مجھ پر تسخیر کا سا عمل کیا۔ اس کے حالات سے مجھے دلچسپی ہو گئی۔ میں نے پوچھا ''تمھیں بیوہ ہوئے کتنے دن ہو گئے؟''

عورت کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے بچے کے رخسار کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور بولی۔

''ابھی تو کل چھے مہینے ہوئے ہیں بابو جی! بھگوان کی مرضی میں آدمی کا کیا بس۔ بھلے چنگے ہل لے کے لوٹے۔ ایک لوٹا پانی پیا۔ قے ہوئی۔ بس آنکھیں بند ہو گئیں۔ نہ کچھ کہا، نہ سنا۔ میں سمجھی تھکے ہیں، سو رہے ہیں۔ جب کھانا کھانے اٹھانے لگی تو بدن ٹھنڈا۔ تب سے بابو جی! گھاس چھیل کر پیٹ پالتی

ہوں اور بچّوں کو کھلاتی ہوں۔ کھیتی میرے مان کی نہ تھی۔ بیل بدھیے بیچ کر انہی کے کریا کرم میں لگا دیے۔ بھگوان ان دونوں غلاموں کو جلا دے۔ میرے لیے یہی بہت ہیں۔''

مجھ پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ آب دیدہ ہوگیا۔ جیب سے پانچ روپے نکال کر اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ''میری طرف سے یہ بچّوں کو مٹھائی کھانے کے لیے لے لو، مجھے موقع ملا تو پھر کبھی آؤں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے بچے کے رخسار کو انگلی سے چھو دیا۔ ماں ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔

''نہیں بابو جی! یہ رہنے دیجیے۔ میں غریب ہوں لیکن بھکارن نہیں ہوں۔''

''یہ بھیک نہیں ہے۔ بچّوں کی مٹھائی کے لیے ہے۔''

''نہیں بابو جی!''

''مجھے اپنا بھائی سمجھ کر لے لو۔''

''نہیں بابو جی! جس سے بیاہ ہوا اس کی عزت تو میرے ہی ہاتھ ہے۔ بھگوان تمھارا بھلا کرے۔ اب چلے جاؤ، نہیں تو دیر ہو جائے گی۔''

میں دل میں اتنا خفیف کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں جنھیں جاہل اور بے خبر سمجھتا اسی طبقے کی ایک معمولی عورت میں یہ خودداری، یہ فرض شناسی، یہ توکل۔ اپنے ضعف کے احساس سے میرا دل جیسے پامال ہوگیا۔ میں نے نادم ہو کر نوٹ جیب میں رکھ لیا اور گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے پوچھا ''تمھیں اس آندھی میں ذرا بھی ڈر نہ معلوم ہوتا تھا؟''

عورت مسکرائی ''ڈر کس بات کا؟ بھگوان تو سبھی جگہ ہیں۔ اگر وہ مارنا چاہیں تو کیا یہاں نہیں مار سکتے؟ میرا آدمی گھر آکر بیٹھے بیٹھے چل دیا۔ آج وہ ہوتا تو تم اس طرح گجن پور اکیلے نہ جاتے۔ جاکر تمھیں پہنچا آتا۔ تمھاری خدمت کرتا۔''

گھوڑا اُڑا۔ میرا دل اس سے زیادہ تیزی سے اڑ رہا تھا۔ جیسے کوئی مفلس سونے کا ڈلا پاکر دل میں پرواز کا احساس کرتا ہے، وہی حالت میری تھی۔ اس دہقانی عورت نے مجھے وہ تعلیم دی جو بڑی بڑی کتابوں سے بھی حاصل نہ ہوسکی تھی۔ میں مفلس کی طرح اس سونے کے ڈلے کو گرہ میں باندھتا ہوا آگے چلا۔ دل میں مسرور لیکن اس اندیشے سے خائف کہ کہیں یہ اثر دل سے مٹ نہ جائے۔ بس یہی فکر تھی کہ اس پارۂ زر کو دل کے کسی گوشے میں چھپا لوں جہاں کسی کی حریص نگاہ اس پر نہ پڑے۔

گجن پور ابھی پانچ میل سے کم نہ تھا۔ راستہ نہایت پیچیدہ تھا۔ آہستہ آہستہ سنبھلتا ہوا چلا جاتا تھا کہ آسمان پر ابر گھر آیا۔ کچھ کچھ تو پہلے ہی تھا پر اب اس نے ایک عجیب صورت اختیار کی ۔ ابر کی زردی، برق کی چمک، شاید گھوڑا اس خطرے کو سمجھ رہا تھا۔ وہ بار بار ہنہناتا اور اڑ کر خطرے سے باہر نکل جانا چاہتا تھا۔

ایک میل نکل گیا ہوں گا کہ ایک رپٹ آپڑی۔ پہاڑی ندی تھی۔ جس کے پیٹے میں کوئی پچاس گز لمبی رپٹ بنی ہوئی تھی۔ پانی کی ہلکی دھار رپٹ پر سے بہہ رہی تھی۔ رپٹ کے دونوں طرف پانی جمع تھا۔ میں نے دیکھا ایک

اندھا لاٹھی ٹیکتا ہوا رپٹ سے گزر رہا تھا۔ رپٹ کے ایک کنارے سے وہ اتنا قریب تھا کہ میں ڈر گیا کہیں وہ گر نہ پڑے۔ اگر پانی میں گرا تو مشکل ہوگی۔ میں نے چلا کر کہا'' اور داہنے کو ہو جاؤ۔''

بوڑھا چونکا اور گھوڑے کی ٹاپوں سے شاید ڈر گیا۔ وہ داہنے کی بجائے بائیں طرف ہو لیا اور پانی میں گر پڑا۔ اُسی وقت ایک ننھا سا اولا میرے سامنے گرا۔ دونوں مصیبتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں۔

ندی کے اُس پار ایک مندر تھا۔ اس میں بیٹھنے کی جگہ کافی تھی۔ میں ایک منٹ میں وہاں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن یہ عقدہ سامنے آ گیا۔ کیا اس اندھے کو مرنے کے لیے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگوں؟ حمیّت نے اسے گوارا نہ کیا۔ زیادہ پس و پیش کا موقع نہ تھا۔ میں فورًا گھوڑے سے کودا۔ کئی اولے میری چاروں طرف گرے۔ میں پانی میں کود پڑا۔

ہاتھی ڈباؤ پانی تھا۔ میں ایک غوطہ کھا گیا۔ تیرنا جانتا تھا، کوئی اندیشہ نہ تھا۔ میں نے دوسری ڈبکی لگائی اور اندھے کو باہر نکالا۔ اتنی دیر میں وہ سیروں پانی پی چکا تھا۔ جسم بے جان ہو رہا تھا۔ میں اسے لیے بڑی مشکل سے باہر نکلا۔ دیکھا تو گھوڑا بھاگ کر مندر میں جا پہنچا تھا۔

اس نیم جان جسم کو لیے ایک فرلانگ چلنا آسان نہ تھا۔ اوپر سے اولے تیزی سے گرنے لگے تھے۔ کبھی سر پر، کبھی شانے پر تو کبھی پیٹھ پر گولی سی لگ جاتی تھی۔ میں تلملا اٹھتا لیکن اس گھڑی کو سینے سے لگائے مندر کی طرف لپکا جاتا تھا۔

اچّھا کام کرنے میں ایک خاص مسرت ہوتی ہے۔میری خوشی ایک دوسری ہی قسم کی تھی۔ وہ فاتحانہ مسرت تھی۔ میں نے اپنے اوپر فتح پائی تھی۔ غالبًا آج سے پہلے میں اس اندھے کو بچانا نہ چاہتا۔ خاص طور سے اس حالت میں کہ سر پراولے پڑ رہے ہوں۔مگر آج میری زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔

میں مندر میں پہنچا تو میرا سارا جسم زخمی ہو رہا تھا۔ مجھے اپنی فکر نہ تھی۔ ایک زمانہ ہوا میں نے فوری امداد (فرسٹ ایڈ) کی مشق کی تھی جو آج کام آ گئی۔ میں نے آدھ گھنٹے میں اس اندھے کو اٹھا کر بٹھا دیا۔ اتنے میں دو آدمی اندھے کو ڈھونڈتے ہوئے مندر میں آ پہنچے۔ مجھے اس کی تیمارداری سے فرصت ملی۔

اندھے نے مجھ سے پوچھا ''تم کون ہو بھائی؟ مجھے تو کوئی مہاتما معلوم ہوتے ہو!''

میں نے کہا ''تمھارا خادم ہوں۔''

''تمھارے سر پر کسی دیوتا کا سایہ معلوم ہوتا ہے۔''

''ہاں ! ایک دیوی کا سایہ ہے۔''

''وہ کون دیوی ہے؟''

''وہ دیوی پیچھے کے گاؤں میں رہتی ہے۔''

''تو کیا وہ کوئی عورت ہے؟''

''نہیں، میرے لیے تو وہ دیوی ہے۔''

☆☆

افسانہ

افسانہ بیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ چلنے والی اصناف میں افسانہ ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

افسانہ میں زندگی کی سچائیوں کا ہو بہو بیان ملتا ہے۔ یہ ایسی نثری تخلیق ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکتی ہے۔ زندگی کے گو نا گوں تجربات سے افسانوں کے کردار جنم لیتے ہیں۔

افسانہ زندگی کے کسی اہم پہلو کو ہمارے سامنے مختصراً پیش کر دیتا ہے۔ افسانہ نگار کا مشاہدہ گہرا ہوتا ہے اور انسانی نفسیات سے اس کی واقفیت بھی گہری ہوتی ہے۔

اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعات حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، غلام عباس، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین قابلِ ذکر ہیں۔ بہت سارے اردو افسانے دنیا کی مختلف زبانوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ 'روشنی' منشی پریم چند کا مشہور و معروف افسانہ ہے۔

منشی پریم چند

(۱۸۸۰ء تا ۱۹۳۶ء)

پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے ہے۔ وہ بنارس کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں پانڈے پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہوئی۔ اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ پرائمری اسکول میں استاد ہو گئے پھر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

پریم چند کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہی مضامین لکھنے کا شوق تھا۔ ۱۹۰۸ء میں ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ 'سوزِ وطن' کے نام سے شائع ہوا۔ وہ قلم کے سپاہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے افسانے قومی، سیاسی اور سماجی رجحانات کے آئینہ دار ہیں۔ پریم چند نے اپنی کہانیوں اور ناولوں میں ہندوستان کے دیہاتوں کی جیتی جاگتی تصویریں آسان اور سادہ زبان میں پیش کی ہیں۔

پریم چند نے ناول اور افسانوں کے علاوہ ڈرامے اور مضامین بھی لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں کے چند نمائندہ مجموعے 'پریم پچیسی' 'پریم چالیسی' 'زادِ راہ' 'آخری تحفہ' اور 'واردات' ہیں۔ ناولوں میں 'بیوہ' 'نرملا' 'بازارِ حسن' 'گوشۂ عافیت' 'میدانِ عمل' 'چوگانِ ہستی' اور 'گئودان' قابلِ ذکر ہیں۔ ڈراموں میں کربلا بہت مشہور ہے۔

سرگرمیاں

۱) اپنی زندگی کے بہت سے واقعات ہم یاد رکھتے ہیں۔ ایسے کسی ایک دلچسپ واقعہ لکھیے۔

۲) اردو کے مشہور افسانہ نگاروں کے نام اور ان کے افسانوں کی ایک فہرست تیار کیجیے۔

۳) 'گورنمنٹ لاکھوں روپیے زراعتی اصلاح پر خرچ کرتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات اور ایجادات ہوتی ہیں، ڈائرکٹر، انسپکٹر، سب موجود۔ مگر حالت میں کوئی اصلاح، کوئی تغیر نہیں۔'' منشی پریم چند کے اس قول پر اپنے خیالات پیش کیجیے۔

۴) اپنے پسندیدہ افسانہ نگار کے متعلق مختصر نوٹ لکھیے۔

۵) افسانہ 'روشنی' میں کون سا کردار آپ کو زیادہ پسند ہے؟ پسندیدگی کے اسباب لکھیے۔

۶) ''نہیں بابو جی ! یہ رہنے دیجیے۔ میں غریب ہوں لیکن بھکارن نہیں ہوں۔'' اس قول پر اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۷) افسانہ 'روشنی' میں منظر نگاری کی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ آپ بھی صبح یا شام کے کسی منظر کا بیان کیجیے۔

۸) فرض کیجیے کہ آپ کے اسکول میں ایک مشہور افسانہ نگار تشریف لا رہے ہیں تو آپ ان سے کیا کیا سوالات کریں گے؟

۸۔ غزل

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا
کاٹے ہیں خاک اڑا کر جوں گرد باد برسوں
گلیوں میں ہم ہوئے ہیں اس بن خراب کیا کیا
کچھ گل سے شگفتہ کچھ سرو سے ہے قدکش
اس کے خیال میں ہم دیکھے ہیں خواب کیا کیا
انواع جرم مرے پھر بے شمار و بے حد
روز حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا
اک آگ لگ رہی ہے سینوں میں کچھ نہ پوچھو
جل جل کے ہم ہوئے ہیں اس بن کباب کیا کیا
پھر پھر گیا ہے آکر منہ تک جگر ہمارے
گزرے ہیں جان و دل پر یہاں اضطراب کیا کیا
کچھ سوجھتا نہیں ہے مستی میں میرؔ جی کو
کرتے ہیں پوچ گوئی پی کر شراب کیا کیا

میر تقی میرؔ

میر تقی میرؔ

(۱۷۲۲ء تا ۱۸۱۰ء)

میر تقی میرؔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی نو عمری میں والد کا انتقال ہو گیا۔ پھر وہ دہلی آ گئے اور یہاں طویل عرصے تک رہے۔ یہاں ان کے سوتیلے ماموں خان آرزوؔ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور بہت جلد دہلی کے نمایاں شعرا میں گنے جانے لگے۔ دلّی میں انھوں نے اچّھے اور برے دونوں طرح کے دن گزارے ۱۷۸۲ء کے قریب وہ لکھنؤ آ گئے۔ نواب آصف الدّولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ عام طور پر ان کو اردو کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا جاتا ہے اور خدائے سخن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

میرؔ کی بڑائی اس میں ہے کہ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ ان کی شاعری میں دکھ درد کی باتیں ہیں۔ ان کی شاعری بظاہر سادہ ہے لیکن اس میں فکر کی گہرائی ہے۔ ان کے شعر دل کو چھوتے ہیں۔ اردو میں ان کا 'مجموعہ کلام' شائع ہو چکا ہے۔ ان کی آپ بیتی 'ذکر میرؔ' کے نام سے فارسی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ 'نکات الشعرا' کے نام سے آپ نے اردو شاعروں کا تذکرہ بھی لکھا ہے۔

سرگرمیاں

۱) اس غزل سے پسندیدہ شعر چن لیجیے اور اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲) میرؔ کی اس غزل کا مقطع چن کر لکھیے۔

۳) میر تقی میرؔ کو 'خدائے سخن' کیوں کہا جاتا ہے؟

۴) اس غزل کے قافیے اور ردیف چن کر لکھیے۔

۵) میرؔ کے اشعار میں دکھ اور مایوسی کے جذبات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔
میرؔ کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کر کے اس کی وجہ ڈھونڈ نکالیے اور
ایک نوٹ لکھیے۔

۹- ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب!
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
لذّت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو
صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی مَوج بن کر، اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
پانی کو چُھو رہی ہو جُھک جُھک کے گُل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلھن کو
سُرخی لیے سُنہری ہر پھول کی قبا ہو

بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سُو بادل گھرا ہوا ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں، شاید انھیں جگا دے

علامہ محمد اقبالؔ

علّامہ محمد اقبالؔ

(۱۸۷۷ء تا ۱۹۳۸ء)

شاعرِ مشرق علّامہ محمد اقبالؔ سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ میر حسن سے عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں لاہور کالج سے بی. اے اور فلسفہ میں ایم. اے کیا۔ تمام امتحانات میں اوّل رہے۔ پہلے اورینٹل کالج پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ انگریزی اور عربی کے بھی استاد رہ چکے ہیں۔

۱۹۰۵ء میں وہ یوروپ روانہ ہو گئے۔ وہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں فلسفہ کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے ایران کے فلسفہ کے متعلق ایک مقالہ پیش کیا جس پر جرمنی کی میونک یونیورسٹی نے آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ جرمنی سے واپسی کے بعد لندن کی کیمرج یونیورسٹی سے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا۔

بچپن سے ہی ان کو شاعری کا شوق تھا۔ کالج کی تعلیم کے دوران ان کی شاعری کی خوب دھوم مچ گئی۔ ۱۸۹۹ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں آپ نے 'نالہء یتیم' کے عنوان سے ایک درد انگیز نظم پڑھی جس سے لوگ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کے اردو شعری مجموعے 'بانگِ درا' 'بالِ جبریل' 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' کے نام سے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ آٹھ فارسی مجموعے

بھی ہیں۔

نظموں کے علاوہ انھوں نے غزلیں، رباعیاں اور قطعات بھی لکھے ہیں۔ نثر میں بھی ان کی کئی تصانیف ہیں۔ 'اقبال نامہ' کے نام سے ان کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔

خودی کو اقبالؔ کی شاعری میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ پیامی شاعر کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عمل و حرکت کا پیغام ملتا ہے۔ حب وطن بھی ان کی شاعری کا موضوع رہا ہے۔

سرگرمیاں

۱) 'شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا' اقبالؔ دنیا کی شورش سے کیوں بھاگنا چاہتے ہیں؟ اور ان کا دل کیا ڈھونڈتا ہے؟

۲) اقبالؔ نے اپنی نظم 'ایک آرزو' میں کن آرزوں کا اظہار کیا ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۳) پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو
اس شعر کا مفہوم واضح کیجیے۔

۴) اقبالؔ کی اس نظم سے دو پسندیدہ اشعار چن کر ان پر ایک تحسینی نوٹ لکھیے۔

۵) گل کی ٹہنی جھک جھک کر پانی کو چھونے کے منظر کو شاعر نے کس سے تشبیہ دی ہے؟

۶) شاعر کی طرح آپ کی بھی کئی آرزوئیں ہوں گی۔ اپنی آرزوٗں پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۷) شاعر کا ٹوٹا ہوا دیا کس کے لیے امید بن سکتا ہے؟ واضح کیجیے۔

۱۰۔ برج بانو

یہ برج بانو کی داستان ہے۔ برج بانو کون ہے؟ آج کل کہاں ہے؟ اس کے عجیب و غریب نام کی وجہ کیا ہے؟ یہ تمام سوالات جس آسانی سے کیے جا سکتے ہیں۔ شاید ان کے جوابات اتنی آسانی سے نہ دیے جا سکیں، تاہم کوشش کروں گا کہ آپ کو برج بانو سے روشناس کرا دوں۔

برج بانو ایک خوبصورت عورت ہے جو پاکستان سے میرے ساتھ ہندوستان آئی ہے۔ کیا میں اسے اغوا کر کے لایا ہوں؟ نہیں صاحب میں تو اتنا شریف واقع ہوا ہوں کہ خوبصورت عورت تو کجا بدصورت پنواڑن کو بھی اغوا کرنا گناہِ عظیم سمجھتا ہوں۔ کیا اسے مجھ سے محبت ہے؟ یہ ذرا ٹیڑھا سوال ہے......۔ اگر آپ یہ پوچھتے کہ کیا مجھے اس سے محبت ہے؟ تو میں یقیناً اس کا جواب اثبات میں دیتا۔ وہ آج کل کہاں ہے؟ وہ میرے گھر میں رہ رہی ہے اسے برج بانو کیوں کہتے ہیں؟ یہ سوال مجھ سے کئی اشخاص نے کیا ہے۔ آپ پہلے شخص نہیں ہیں بہرکیف وجہ بیان کیے دیتا ہوں۔ اسے برج بانو کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کی ماں ہندو اور باپ مسلمان تھا۔ آپ کو یقین نہیں آتا۔ بہتر تو یہی ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کریں ورنہ مجھے ایک ایسے شخص کی سند پیش کرنی پڑے گی جو ایک باریش بزرگ ہیں جسے اس عورت کی پیدائش کے سب حالات معلوم ہیں جسے میری طرح اس عورت سے عشق ہے۔ آپ نے غلط سمجھا۔ یہ لوگوں

سے عشق نہیں کرتی لوگ اس سے عشق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس عورت کی زبان میں کچھ ایسی موہنی کشش ہے کہ جو شخص بھی اس کی باتوں کو سنتا ہے دل و جان سے اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

آپ میری مثال لیجیے۔ میری عمر تیس برس کی تھی۔ جب میں نے پہلی بار اسے ایک مجلس میں باتیں کرتے ہوئے سنا مجھے فوراً اس سے عشق ہو گیا۔ تیس برس کی عمر ہمارے ملک میں جہاں انسانوں کی اوسط عمر صرف چھبیس سال ہے، عشق کرنے کے لیے نہایت غیر موزوں ہے۔ لیکن میں مجبور تھا اور مجھ پر ہی کیا منحصر ہے، لکھنؤ میں ایک شخص رتن ناتھ سرشار ہوا کرتا تھا۔ وہ اس عورت کی زبان کے چٹخارے پر ایسا مَر مٹا کہ ساری عمر اس کا نطق اس کی زبان کے بوسے لیتا رہا۔ کہتے ہیں اس شخص نے اس عورت کی شان میں ایک رباعی کہی تھی۔ جس کا ہر مصرعہ پانچ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ ہاں تو یہ عورت پاکستان سے میرے ہمراہ آئی ہے لیکن چند دنوں سے اداس سی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ پچھلے دنوں سے اس سے نفرت کرنے لگے ہیں نہ صرف اس سے بلکہ مجھ سے بھی۔

کل کا ذکر ہے ایسی لمبی چوٹی والے پنڈت جی جو میرے ہمسایہ ہیں مجھ سے کہنے لگے ''لالہ جی کیا مجاک ہے۔ آپ کے گھر میں ایک ایسی عورت رہتی ہے جس کا باپ مسلمان تھا۔'' اور میرے کئی لمبے بالوں والے دوست مجھ سے بار بار کہہ چکے ہیں آپ خواہ مخواہ اسے ساتھ لے آئے کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ سرحد پار کرنے سے پہلے اسے ستلج کی لہروں کی نذر کر دیتے۔

میں جب ایسی باتیں سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے۔ لیکن برج بانو کے دل پر جو گزری ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ بچاری ہر روز جلی کٹی سن سن کر کرتنگ آ گئی ہے آج دو پہر کے وقت جب وہ ڈیوڑھی میں بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی تو میں نے اس سے کہا۔ ''برج بانو! میرا خیال ہے کہ تم پاکستان چلی جاؤ، یہاں یہ لوگ تمھیں رہنے نہیں دیں گے''۔

''لیکن کیوں؟'' برج بانو نے چمک کر کہا۔'' میرا قصور؟''

''تمھارا قصور یہ ہے کہ تمھارا باپ مسلمان تھا۔'' ''لیکن میری ماں ہندو تھی۔'' ولدیت کے معاملے میں ماں کو کوئی نہیں پوچھتا۔'' یہ عجیب منطق ہے، جہاں جذبات ہی سب کچھ ہوں وہاں منطق کی دال نہیں گلتی۔'' وہ اور بھی اداس ہو گئی۔

میں بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔'' برج بانو تمھیں اب یہاں سے اوشیہ چلے جانا ہوگا۔''

ایک لمحہ کے لیے وہ میرے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ جیسے میری بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔اور پھر کہنے لگی۔''اوشیہ کسی شہر کا نام ہے کیا؟'' ''شہر کا نام نہیں۔ اوشیہ ہندی زبان میں 'ضرور' کو کہتے ہیں۔'' وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی اور کہنے لگی میری پَر نانی بھی ضرور کو اوشیہ کہا کرتی تھی۔ میں نے پوچھا تم ضرور کو اوشیہ کیوں نہیں کہتیں۔ برج بانو نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔'' کہنے کی کوشش کرتی ہوں۔ لیکن زبان لڑ کھڑا نے لگتی ہے۔'' بس اسی لیے تمھیں ہندوستان چھوڑنا پڑے گا۔ یک لخت برج بانو کے چہرے پر غیظ وغضب کے آثار پیدا ہوئے اور

اس نے چلّا کر کہا کہ ہندوستان میرا گھر ہے میں اپنا گھر چھوڑ کر کس طرح جا سکتی ہوں؟ تمھارا گھر پاکستان ہے۔

''یہ بالکل غلط ہے پاکستان میری فتوحات میں سے ہے میرا اصلی اور قدیمی وطن ہندوستان ہے۔ میں دلّی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئی۔ بچپنا جھونپڑی میں اور شباب لال قلعہ دلّی میں بسر ہوا۔ مجھے ہندوستان کے شہنشاہ نے منہ لگایا۔ دیوانِ عام میں مجھے سب سے اونچی مسند پر بٹھایا گیا اور جس وقت میرا ستارہ عروج پر تھا۔ کوئی بنگالی ، گجراتی سندھی حسینہ میرے حسن، میری بھڑک اور طنطنے کی تاب نہ لا سکی۔ میں ہندوستانی ہوں اور ہندوستان میں رہوں گی۔ یہ درست ہے پرَنتو۔'' یہ پرَنتو کیا بلا ہوتی ہے جی؟

برج بانو نے شرارت سے کہا۔ ''پرَنتو ہندی میں 'لیکن' کو کہتے ہیں۔ ہاں یاد آیا میری نانی بھی لیکن کو پرَنتو کہا کرتی تھی۔ تمھیں بھی اب لیکن کو پرَنتو کہنا ہوگا۔ معاف کیجیے میں تو لیکن ہی کہوں گی۔'' یہی تو تمھاری غلطی ہے۔ اگر لیکن کو پرَنتو نہیں کہوگی تو تمھیں یہاں سمجھے گا کون؟

ہر وہ شخص .... معاً ایک قلفی بیچنے والا میری ڈیوڑی کے آگے ٹھہر گیا۔ قلفی کھائیں گے آپ؟ وہ مجھ سے پوچھتی ہے کیا یہ قلفی کھانے کا وقت ہے میں تم سے نہایت اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج تمھیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ تم پاکستان جاؤ گی یا نہیں؟ پہلے قلفی کھا لیجیے اس کے بعد ٹھنڈے دل سے آپ کے مشورے پر غور کریں گے اور وہ قلفی والے کو مخاطب کرکے پوچھتی ہے کیسی ہے یہ قلفی

تمھاری، میرا مطلب ہے کچھ ٹھکانے کی ہے یا یوں ہی سی !'' اجی کیا پوچھتی ہیں آپ ، میری قلفی؟ میری قلفی بے نظیر لا جواب ، شاندار۔''

برج بانو کے مغموم لبوں پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ جاتی ہے اور قلفی کھائے بغیر قلفی والے کے ہاتھ پر پانچ روپیے کے نوٹ رکھ دیتی ہے اور اس سے چلے جانے کو کہتی ہے۔قلفی والا چلا جاتا ہے۔

کیا فیصلہ کیا تم نے پاکستان جا رہی ہو نا؟ وہ میری بات اَن سنی کرکے ایک سکھ ڈرائیور کی لاری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وہ دیکھیے۔ میں لاری کی طرف نظر دوڑاتا ہوں لاری کے فریم پر چند اشعار اردو میں لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے

درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہلِ وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

لاری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اورایک چھابڑی والا زور سے چلاتا ہوا گلی میں داخل ہوتا ہے وہ ''چنا زورگرم'' بیچ رہا ہے۔

میرا چنا بنا ہے اعلیٰ
اس میں ڈالا مرچ مسالا
چنا لایا میں بابو مزیدار
چنا زور گرم

اب ایک اخبار فروش گلی میں آتا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں دس بارہ مختلف اردو روز نامے اور رسائل ہیں برج بانو ایک اردو روز نامہ خریدتی ہے۔لیکن جوں ہی اس کی نظر پہلی سرخی پر پڑتی ہے، اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے جلی حروف میں لکھا ہے۔

''برج بانو اب ہندوستان میں نہیں رہ سکے گی۔''ایک لمحہ کے لیے گویا اس پر بجلی سی گرتی ہے وہ دھم سے گرا چاہتی ہے لیکن میں بڑھ کر اس کا دامن تھام لیتا ہوں۔ دو چار منٹ ہم دونوں خاموش اور مبہوت کھڑے رہتے ہیں اس کے بعد میں اس سے کہتا ہوں۔'' ضد نہ کرو بانو تمھیں پاکستان جانا ہی ہوگا۔'' وہ بھپری ہوئی شیرنی کی طرح کڑک کر کہتی ہے۔''میں نہیں جاؤں گی ہر گز نہیں جاؤں گی۔'' لیکن حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم ....حکومت قانون بنا سکتی ہے ۔لیکن عوام کے فطری رجحانات کو نہیں بدل سکتی۔ جب تک ہندوستان میں قلفی والے، سکھ ڈرائیور اور چنا زور گرم بیچنے والے موجود ہیں حکومت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔

''خدا کی قسم بڑی ضدی ہو تم''

برج بانو تو مسکرا رہی ہے اور میں قلفی والے کے الفاظ زیر لب دہرا رہا ہوں۔

لا جواب ! شاندار !! بے نظیر !!!

طنز و مزاح

ادب میں طنز و مزاح کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اعلیٰ درجے کا طنز و مزاح صرف بلند پایہ ادب میں ہی پایا جا سکتا ہے۔ زندگی تلخیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان تلخیوں کی شدّت کو کم کرنے کے لیے انسان تھوڑی دیر کے لیے ہنس لیتا ہے۔ہنسی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہ جس میں نفرت کا زہر گھلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ہنسی زندگی کی کسی خرابی یا بد عنوانی یا کسی بدی کو دیکھ کر وجود میں آتی ہے۔ اس ہنسی سے طنز وجود میں آتا ہے۔ اور اس برائی کو مٹا دینا اس کا مقصد ہوتا ہے۔ دوسری ہنسی بس شیر و شکر ہوتی ہے۔ خود خوش ہونے کے لیے اور دوسروں کو خوش کرنے کے لیے۔

مزاح اور طنز میں بڑا فرق ہے۔ مزاح نگار نرم الفاظ کے ذریعہ برائی کی اصلاح چاہتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہمدردانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے برعکس طنز نگار بڑی سخت کلامی سے برائیوں کی جڑ اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے۔ اس کی ہر بات میں ایک طرح کی چبھن اور نشتریت ہوتی ہے لیکن دونوں کا مقصد بدکاروں کی اصلاح ہوتا ہے۔

سابقے

اہلِ وطن٬ بے وفا ، پرزور ، پیش کش ، خوش نصیب جیسے لفظوں میں اہل ، بے ، پُر ، پیش ، خوش وغیرہ دوسرے لفظوں کے پہلے آتے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ کو سابقہ کہتے ہیں۔ آپ کی درسی کتاب سے اس طرح کے الفاظ چن کر لکھیے۔

کنھیالال کپور

(۱۹۱۰ء تا ۱۹۸۰ء)

کنھیالال کپور لاہور میں پیدا ہوئے ۔ وہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور انگریزی کے استاد مقرر ہو گئے۔ ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان آ گئے۔ انھوں نے اپنے بعض مضامین میں کئی عام انسانی رویوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ طنز و مزاح ان کا خاص میدان ہے۔

'نوکِ نشتر' 'بال و پر' 'نرم گرم' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ کنھیالال کپور سماجی ناہمواریوں کی بہت جاندار تصویریں پیش کرتے ہیں جن میں ایک احتجاجی پہلو بھی ہوتا ہے۔ ان کے طنز و مزاح میں جرأت اور بے باکی ان کی خاص پہچان ہے ۔ ان کے کئی انشائیے بہت مقبول ہوئے جن میں 'برج بانو' 'گھر یاد آیا' 'زندہ آباد' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

سرگرمیاں

۱) ''یہ لوگوں سے عشق نہیں کرتی لوگ اس سے عشق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔''
لوگ کیوں برج بانو سے عشق کرنے پر مجبور ہوتے ہیں؟

۲) ''ہندوستان میرا گھر ہے۔ میں اپنا گھر چھوڑ کر کس طرح جا سکتی ہوں؟''
برج بانو ایسا کیوں کہتی ہے؟

۳) '' حکومت قانون بنا سکتی ہے لیکن عوام کے فطری رجحانات کو نہیں بدل سکتی''
اس جملے پر آپ کی رائے پیش کیجیے۔

۴) اردو کے دوسرے چند مزاحیہ نگاروں کے نام بتائیے۔

۵) آج کل اردو کے بہت سے جملے اشتہارات میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح کے چند اشتہاراتی جملے جمع کر کے لکھیے۔

۶) برج بانو نے قلفی والے کے ہاتھ میں پانچ روپیہ کا نوٹ کیوں رکھ دیا؟

۷) لاری کے فریم پر کون سا شعر لکھا ہوا تھا؟ اس طرح کے چند اشعار جمع کر کے تشریح کیجیے۔

۸) مزاحیہ کلام سب لوگ پسند کرتے ہیں۔ چند لطیفے جمع کر کے پیش کیجیے۔

۱۱- رباعی

کیوں سب کو سنائے حال ابتر اپنا
جب اس میں قصور ہو سراسر اپنا
ہم کوستے ہیں عبث مقدّر کو ندیم
اعمال سے بنتا ہے مقدر اپنا

تلوک چند محرومؔ

تلوک چند محرومؔ

(۱۸۸۵ء تا ۱۹۶۶ء)

تلوک چند محرومؔ کی پیدائش پنجاب کے گجران والا میں ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ عام رواج کے مطابق انھوں نے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی میں بھی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں وہ اردو اور فارسی کے ماہر ہو گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ پھر وہ اپنا گاؤں چھوڑ کر دہلی چلے گئے۔ ایک روزنامہ میں چند دن کام کرنے کے بعد اردو اور فارسی کے لکچرر بن کر پنجاب یونیورسٹی آئے۔

مناظرِ فطرت کی تصویر کشی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ حب الوطنی ، قومی اور سیاسی موضوعات پر انھوں نے کئی نظمیں لکھی ہیں۔ بچّوں کی ذہنی تربیت کے لیے بھی محرومؔ نے متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے کلام میں انسان دوستی اور مذہبی رواداری بھی ملتی ہے۔انھوں نے اقبالؔ اور سرورؔ جہاں آبادی سے متاثر ہو کر نظمیں لکھیں ۔محرومؔ نے نظموں کے ساتھ غزلیں اور رباعیاں بھی بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

سرگرمیاں

۱) رباعی کی خصوصیات پر ایک نوٹ لکھیے۔

۲) اس رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳) اس رباعی میں ردیف و قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

۴) کسی ایک پسندیدہ رباعی پر تحسینی نوٹ لکھیے۔

۵) ''ہم کوستے ہیں عبث مقدر کو ندیم'' اس مصرعے میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔

۱۲- بچپن کی باتیں

میرے دل میں اپنے والد کی بے حد عظمت تھی۔ میں انہیں قوت، ہمت اور عقل کا پتلا جانتا تھا اور جتنے آدمی میں نے دیکھے تھے سب سے برتر سمجھتا تھا۔ مجھے آرزو تھی کہ میں بڑا ہو کر ان جیسا بن جاؤں۔ مگر عظمت اور محبت کے ساتھ ساتھ میرے دل میں ان کا ڈر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے انھیں نوکروں وغیرہ پر خفا ہوتے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ مجھے بہت ڈراؤنے معلوم ہوتے تھے اور میں خوف سے اور کبھی کبھی طیش سے کانپنے لگتا تھا کہ نوکروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ان کا غصّہ واقعی بہت برا تھا اور میں نے اس وقت کیا اس کے بعد بھی اس ٹکر کا غصّہ نہیں دیکھا۔ مگر یہ اچّھا تھا کہ ان میں ظرافت کا بھی مادہ تھا اور ارادے کے مضبوط بھی تھے۔ اس لیے عام طور پر ضبط سے کام لیتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ یہ ضبط کی قوّت بڑھتی گئی اور آخر میں شاید ہی کبھی انھیں پہلا سا غصّہ آیا ہو۔

مجھے بچپن کی جو سب سے پہلی باتیں یاد ہیں ان میں والد کا غصّہ بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ مجھ ہی پر نازل ہوا تھا۔ میں ان دنوں کوئی پانچ چھ سال کا ہوں گا۔ والد کی میز پر دو سوت قلم (فاؤنٹین پین) رکھے ہوئے دیکھ کر میرا دل

للچایا۔ میں نے کہا انھیں ایک ساتھ دو قلموں کی ضرورت ہونے سے رہی۔ اس لیے ایک میں نے لے لیا۔ بعد میں جب دیکھا کہ اس قلم کی زور شور سے تلاش ہو رہی ہے تو میں بہت ڈرا مگر میں نے اقرار نہیں کیا۔ آخر پتہ چل گیا اور میرے جرم کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔ والد بے حد خفا ہوئے اور میری خوب مرمت کی۔ میں درد کی تکلیف اور ذلت کے رنج سے بے تاب سیدھا ماں کے پاس پہنچا اور کئی روز تک میرے چھوٹے سے دکھتے ہوئے جسم پر طرح طرح کے روغنوں کی مالش ہوتی رہی۔

مجھے یاد نہیں کہ اس سزا کی وجہ سے مجھے والد سے شکایت پیدا ہوئی ہو۔ غالبًا میرا یہی خیال تھا کہ سزا تھی تو بالکل بجا مگر حد سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن باوجود اس کے میرے دل میں ان کی عظمت اور محبت اسی طرح قائم رہی۔ اب میں ان سے ڈرنے لگا۔ البتہ والدہ سے بالکل نہیں ڈرتا تھا کیوں کہ یہ معلوم تھا کہ چاہے میں کچھ بھی کروں وہ درگزر سے کام لیں گی۔ ان کی بے اندازہ محبت کی وجہ سے میں ان کے ساتھ کسی قدر تحکم کا برتاؤ کرنے لگا تھا۔ والد سے تو کبھی کبھی ملنا ہوتا تھا اور ان کا ہر وقت کا ساتھ تھا۔ اس لیے ان سے زیادہ مانوس تھا اور اپنے دل کی بات جو والد سے کبھی نہ کہتا ان سے کہہ دیا کرتا تھا۔ وہ چھریرے سے جسم اور چھوٹے سے قد کی تھیں اور تھوڑے دن میں میرا قد ان کے لگ بھگ جا پہنچا۔ اس لیے میرے دل میں عمر کے فرق کا احساس کم ہوگیا اور وہ مجھے اپنے برابر کی معلوم ہونے لگیں۔ مجھے ان کی پیاری صورت اور ننھے منّے ہاتھ پاؤں

بہت بھلے لگتے تھے۔ وہ ایک نووارد کشمیری گھرانے کی تھیں، جسے اپنا وطن چھوڑے دو ہی پشتیں گزری تھیں۔

میرے دوسرے ہم راز والد کے ایک محرّر منشی مبارک علی تھے۔ وہ بدایون کے ایک آسودہ حال خاندان سے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں ان کا گھر اجڑ گیا اور انگریزوں کی فوج نے ان کے خاندان کو قریب قریب ختم کر دیا تھا۔ مصیبت نے ان کے قلب میں رقت اور درد پیدا کر دیا تھا اور وہ سب سے خصوصاً بچّوں سے بڑی نرمی سے پیش آتے تھے۔ میرے لیے ان کا دامن جانا بوجھا امن کا ٹھکانا تھا۔ جب کبھی اداس یا پریشان ہوتا ان ہی کے پاس پہنچتا۔ ان کی شاندار سفید داڑھی دیکھ کر میں بچپن کی سادگی سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ پراچین وقتوں کے آدمی ہیں، جنھیں کئی جُگ کی باتیں یاد ہیں۔ ان کی گود میں بیٹھ کر حیرت سے آنکھیں پھیلائے میں ان کی بے شمار کہانیوں میں سے الف لیلیٰ اور دوسری کتابوں کے قصّے یا ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے حالات سنا کرتا تھا۔ منشی جی کا انتقال بہت برسوں بعد میری جوانی کے زمانے میں ہوا۔ وہ مجھے اب تک یاد ہیں اور ان کی یاد کو میں دل و جان سے عزیز رکھتا ہوں۔

میری والدہ اور چچی ہندوؤں کی دیو مالا کی کہانیاں اور راماین اور مہابھارت کی داستانیں سنایا کرتی تھیں۔ میری چچی یعنی پنڈت نندلال کی بیوہ کو ہندوستان کی پرانی کتابوں پر عبور تھا۔ اور انھیں اس طرح کے ہزاروں قصّے یاد تھے۔ اس لیے میری معلومات ہندوستان کی دیو مالا کتھا مالا میں بہت بڑھ گئی۔

مذہب کا میرے دل میں محض ایک دھندلا سا تصور تھا۔ میں اسے عورتوں کا معاملہ سمجھتا تھا۔ والدہ اور میرے چچیرے بھائی مذہبی امور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور ہنسی میں ٹال دیا کرتے تھے۔ گھر کی عورتیں طرح طرح کی رسمیں مناتی تھیں اور پوجا پاٹ کیا کرتی تھیں۔ مجھے یہ باتیں بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ اگر چہ میں اپنے بڑوں کی تقلید میں کسی حد تک بے پروائی کا اظہار کرتا تھا۔ کبھی کبھی میں والدہ کے ساتھ گنگا اشنان کو جایا کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ مجھے الہ آباد، بنارس اور دوسری جگہوں کے مندروں میں یا ان سنیاسیوں کی خدمت میں جو مہاتما سمجھے جاتے تھے، لے جاتی تھیں۔ مگر میرے دل پر ان چیزوں کا کوئی مستقل اثر نہیں پڑا۔

پنڈت جواہر لال نہرو

آپ بیتی

خودنوشت یا آپ بیتی کا مطلب ہے اپنی زندگی کا حال خود بیان کرنا۔ اس بیان کے دائرے میں پوری زندگی بھی آ سکتی ہے اور زندگی کا کوئی خاص دور یا واقعہ بھی ۔

خود نوشت لکھنے والا اپنی یادوں کو نہ صرف مرتّب و محفوظ کرتا ہے بلکہ قارئین کو اپنے تجربوں اور مشاہدوں سے آگاہ کراتا ہے یعنی وہ اپنے قارئین کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس نے دنیا اور اس کے لوگوں کو کس نظر سے دیکھا ہے اور اسے کن تجربات سے دو چار ہونا پڑا۔

موجودہ زمانے میں رشید احمد صدیقی کی 'آشفتہ بیانی میری' سر رضا علی کی 'اعمال نامہ' جوشؔ ملیح آبادی کی 'یادوں کی بارات' وغیرہ آپ بیتیاں بہت مشہور ہیں۔

آپ بیتی بالعموم نثر میں لکھی جاتی ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے منظوم آپ بیتیاں بھی لکھی ہیں۔ درسی کتاب میں پنڈت جواہر لال نہرو کی آپ بیتی کا ایک حصّہ دیا گیا ہے۔ اس میں ان کے بچپن کا حال بیان کیا گیا ہے۔

سرگرمیاں

۱) اس آپ بیتی میں نہرو نے اپنے بچپن کی باتیں یاد کی ہیں۔ آپ بھی اپنے بچپن کی یادوں کو ایک آپ بیتی کی شکل میں پیش کیجیے۔

۲) آپ پر بھی کسی عظیم شخصیت کا اثر پڑا ہوگا۔ ایسے کسی ایک شخص پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۳) نہرو اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔ ''میں بڑا ہو کر ان جیسا بن جاؤں۔''
آپ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں؟

۴) مشہور خود نوشت سوانح نگاروں اور ان کی تصانیف کی ایک فہرست تیار کیجیے۔

۵) نہرو نے اس آپ بیتی میں اپنے والد کا ذکر احتراماً کیا ہے۔ آپ نہرو کے والد کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

۱۳- زندگی سے ڈرتے ہو؟

زندگی سے ڈرتے ہو؟
زندگی تو تم بھی ہو، زندگی تو ہم بھی ہیں!
آدمی سے ڈرتے ہو؟
آدمی تو تم بھی ہو، آدمی تو ہم بھی ہیں!

آدمی زبان بھی ہے، آدمی بیان بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے!
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے، آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اس سے تم نہیں ڈرتے!
'ان کہی' سے ڈرتے ہو!
جو ابھی نہیں آئی، اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اُس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو!

پہلے بھی تو گزرے ہیں،
دورِ نارسائی کے 'بے ریا' خدائی کے
پھر بھی یہ سمجھتے ہو، ہیچ آرزومندی

یہ شبِ زباں بندی، ہے رہِ خدا وندی!
تم مگر یہ کیا جانو،
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اُٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں، راہ کا نشاں بن کر
نور کی زبان بن کر
ہاتھ بول اٹھتے ہیں، صبح کی اذاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو؟
روشنی تو تم بھی ہو، روشنی تو ہم بھی ہیں،
روشنی سے ڈرتے ہو؟

شہر کی فصیلوں پر
دیو کا جو سایہ تھا پاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی
چاک ہو گیا آخر، خاک ہو گیا آخر
اژدہامِ انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہِ شوق میں جیسے راہرو کا خوں لپکے
اک نیا جنوں لپکے!
آدمی چھلک اٹھے

آدمی ہنسے دیکھو، شہر پھر بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو؟
ہاں! ابھی تو تم بھی ہو، ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں،
تم ابھی سے ڈرتے ہو!

ن۔م۔ راشدؔ

ن۔م۔ راشدؔ

(۱۹۱۰ء تا ۱۹۷۵ء)

راشد کا نام نذر محمد تھا۔ وہ ضلع گجراں والا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے باپ اور دادا دونوں بہت اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔ اپنی عملی زندگی کے آغاز میں راشد کچھ دنوں تک آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ زندگی کا بڑا حصہ ملازمت کے سلسلے میں انھوں نے ایران میں اور پھر یو۔این۔او میں گزارا۔

آزاد نظم کی داغ بیل ڈالنے والوں میں ن۔م۔راشدؔ کا نام سرفہرست ہے۔صرف یہی نہیں کہ انھوں نے آزاد نظم کو رواج دیا بلکہ اظہار کے ایسے نئے تجربے کیے کہ قارئین کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ انھوں نے تنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں، ترجمے بھی کیے ہیں، بعض رسالوں کی ادارت بھی سنبھالی ہے، فوج

میں ملازمت کی ہے اور آئی سی ایس(ICS) اور پی سی ایس (PCS) کے امتحان بھی دیے ہیں۔

ان کا پہلا مجموعہ 'ماورا' اردو شاعری میں ایک نئے طرزِ احساس اور اظہار کا ترجمان ہے۔'ماورا' کے بعد راشد کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ایران میں 'اجنبی' 'گماں کا ممکن' 'لا=انسان' وغیرہ ان کے اہم شعری مجموعے ہیں۔ نثر میں ان کی کتاب 'جدید فارسی شاعری' مشہور ہے۔

راشد کی شاعری کا سب سے بڑا وصف انکی دانشورانہ حیثیت ہے۔ اقبالؔ کے بعد اپنی شاعری کے وسیلے سے راشد نے مشرق کی فکر اور دانشورانہ روایت کو ایک نئی جہت دی ہے۔'ماورا' کی اشاعت کے دور میں راشد اور میراجیؔ کی نظموں کو مبہم کہا گیا لیکن جیسے جیسے شاعری کا مذاق بدلتا گیا، راشد اور میراجی کے شعری محاسن اور ان کی ادبی خدمات کا اعتراف بھی عام ہوتا گیا۔موجودہ دور میں راشدؔ کا شمار بیسویں صدی کے اہم ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں برطانیہ میں وفات پائی۔

سرگرمیاں

۱) نظم 'زندگی سے ڈرتے ہو' کے ذریعے شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟

۲) ن م راشدؔ کے خیال میں آدمی کی زندگی کس سے وابستہ ہے؟

۳) 'ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں'' سے شاعر کی مراد کیا ہے۔

۴) شاعر زندگی کی خوش حالی یا بہتری کا کیا خواب دیکھتا ہے؟

۵) جہالت، تاریکی، فرسودہ خیالات کے چاک ہونے اور خاک ہونے کا اعلان شاعر نے کس طرح کیا ہے؟

۱۴۔ غزل

ہم ہیں متاعِ کوچہ و بازار کی طرح
اٹھتی ہے ہر نگاہ خریدار کی طرح
وہ تو کہیں ہے اور، مگر دل کے آس پاس
پھرتی ہے کوئی شے نگہِ یار کی طرح
سیدھی ہے راہِ شوق پہ یوں ہی کہیں کہیں
خم ہو گئی ہے گیسوئے دلدار کی طرح
بے تیشہء نظر نہ چلو راہِ رفتگاں
ہر نقشِ پا بلند ہے دیوار کی طرح
اب جا کے کچھ کھلا ہنرِ ناخنِ جنوں
زخمِ جگر ہوئے لب ورخسار کی طرح
مجروحؔ لکھ رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا نام
ہم بھی کھڑے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

مجروحؔ سلطان پوری

مجروحؔ سلطانپوری

(۱۹۲۳ء تا ۲۰۰۳ء)

اسرارالحسن خان مجروحؔ سلطان پوری اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے فیض آباد اور الہ آباد گئے۔وہاں سے طب یونانی پڑھا۔اور طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ لیکن بچپن ہی سے انہیں شاعری سے لگاؤ تھا اور وہ بہت جلد طبابت چھوڑ کر شاعری کرنے لگے۔ ۱۹۴۵ء میں ایک مشاعرے کے سلسلے میں وہ ممبئ پہنچے اور فلم کی طلسماتی دنیا میں داخل ہوئے اور سیکڑوں فلمی گانے ان کے نوکِ قلم سے نکلے۔

مجروحؔ غزل کے شاعر ہیں اور ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ انھوں نے غزل کو ایک نیا انداز دیا۔ مجروحؔ کی غزل کا لہجہ بے باک اور بلند آہنگ ہے۔ ان کی غزل میں عہدِ حاضر کے سارے حالات و واقعات کا عکس موجود ہے۔ ''غزل'' اور ''مشعلِ جاں'' ان کی غزلوں کے مجموعے ہیں۔

سرگرمیاں

۱) اس غزل میں آپ کا پسندیدہ شعر کون سا ہے؟اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲) غزل گو شعرا کی تصاویر جمع کر کے ایک البم بنائیے۔

۳) اردو کلب کے تحت آپ کے اسکول میں شامِ غزل منعقد کی جا رہی ہے۔ اس کے افتتاح کے لیے مشہور غزل گلوکار کے نام ایک دعوت نامہ تیار کیجیے۔

۴) مجروحؔ سلطان پوری فلمی دنیا میں مشہور ہیں۔ اس طرح فلمی دنیا سے وابستہ دیگر اردو شعرا کے نام لکھیے۔

۵) مجروحؔ سلطان پوری ترقی پسند شاعر ہیں۔ کسی ایک ترقی پسند شاعر پر ایک نوٹ تیار کیجیے۔

۶) 'پھرتی ہے کوئی شے نگہ یار کی طرح' اس مصرعے میں محبوب کی کون سی صفت بیان کی گئی ہے؟

۷) آپ کے خیال میں متاعِ بازار کون ہیں؟ اور اس کا خریدار کون ہے؟

۱۵۔ مولانا محمد علی مرحوم

ہندوستانِ جدید میں جو انگریزی تعلیم اور مغربی خیالات کا مواد ہے۔ مولانا محمد علی مرحوم 'عجیب وغریب' شخص ہوئے ہیں۔ وہ مختلف، متضاد اور غیر معمولی اوصاف کا مجموعہ تھے۔ اگر انھیں ایک آتش فشاں پہاڑ یا گلیشیر سے تشبیہ دی جائے تو کچھ زیادہ مبالغہ نہ ہوگا۔ ان دونوں میں عظمت و شان لیکن دونوں میں خطرہ اور تباہی بھی ہے۔

وہ انگریزی کا بڑا ادیب، زبردست انشا پرداز اور اعلیٰ درجے کا مقرر تھا۔ لیکن جب لکھنے اور بولنے پر آجاتا تو اعتدال اور تناسب دونوں نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے اور انمول جواہر پاروں کے ساتھ کنکر اور روڑے بھی بے تکلف چلے آتے تھے۔ وہ آزادی کا دل دادہ اور جبر و استبداد کا پکا دشمن تھا لیکن اگر کبھی اس کے ہاتھ میں اقتدار آتا تو وہ بہت بڑا جابر اور مستبد ہوتا۔ وہ محبت و مروّت کا پتلا تھااور دوستوں پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتا تھا، لیکن بعض اوقات ذراسی بات پر اس قدر آگ بگولا ہو جاتا تھا کہ دوستی اور محبت طاق پر دھری رہ جاتی تھی۔ دوست بھی اس کے جان نثار اور فدائی تھے۔ لیکن اس طرح بچتے تھے جیسے آتش پرست آگ سے بچتا ہے۔ وہ اپنے رفیقوں اور ہم کاروں کے ساتھ بڑی شفقت اور عنایت سے پیش آتا تھا اور طرح طرح کے سلوک کرتا

تھا۔ لیکن جب بگڑتا تو آپے سے باہر ہو جاتا تھا، اس وقت اسے نہ کسی کی عزّت اور آبرو کا خیال رہتا تھا نہ اپنے کام کا۔ اسی لیے اپنے ہم کاروں سے نباہ نہ سکا۔ اور وہ لوگ جنھیں وہ چن چن کر لایا تھا آخر کار ایک ایک کرکے الگ ہو گئے۔ یوں تو ایک مدت تک وہ عزیز مذہب سے بیگانہ رہا اور جب ادھر جھکا تو ایسا کہ بڑے بڑے جگادھری مولوی اور کٹر ملاّ بھی اس کے سامنے ہیچ تھے۔ وہ جب کبھی کسی کام کو اٹھاتا تو بڑی شان وشکوہ سے اٹھاتا اور بڑی بڑی تیاریاں کرتا تھا لیکن تکمیل کو پہنچانا اس کی طبیعت میں ہی نہیں تھا۔ 'کامریڈ' کس شان سے نکلا قدر بھی اس کی وہ ہوئی جو شاید ہی کسی اخبار کی ہوئی ہو۔ اپنے پرائے سب اسے سر آنکھوں پر رکھتے تھے لیکن جو اس کا حشر ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ مسلم نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی بنیاد جس زور وشور اور شدو مد کے ساتھ ڈالی گئی اس کا حیرت انگیز منظر اب تک ہماری نظروں کے سامنے ہے، اس وقت قومیت اور آزادی کا کھولن انتہائی نقطے تک پہنچ گئی تھی۔ اسی ہفتے جب یونیورسٹی کے نصاب تعلیم نظم ونسق پر غور کرنے کے لیے ان کے رفقاء کی کمیٹی ہوئی ہے تو وہ سماں ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔ 'مجذوب کی بڑ' بولتے اور سنتے آتے تھے، لیکن اس روز اپنے کانوں سنی اور بڑی عبرت ہوئی۔ ان کے بعض سنجیدہ اور صاحب نظر رفیق جو اس مجلس میں شریک تھے ششدر و حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے اور بے بسی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے۔ وہ اس وقت اس خیال میں مست تھے (اور انھیں اس کا پورا یقین تھا) کہ کوئی دن جاتا ہے کہ ہندوستان ان

کے قدموں کے تلے ہوگا اور اس کی حکومت کی باگ ان کے قوی ہاتھوں میں ہوگی۔ اس خیال سے ان کا اور ان سے زیادہ ان کے برادربزرگ کا دماغ بہک سا گیا تھا اور جو بات اس وقت ان کے منہ سے نکلتی تھی اس میں ایک عجیب مستانہ ادا اور بے تکا پن ہوتا تھا۔ خلافت کا ذکر جتنا کم کیا جائے بہتر ہے۔ اس کا غلغلہ صورِ اسرافیل کی طرح ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گیا۔ اور وضیع، شریف، عالم و عامی، ہندو اور مسلمان سب ہی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی وجہ سے حمیت و جوش قومی کی لہر سارے ملک میں پھیل گئی تھی لیکن جو انجام ہوا وہ بے کہے سب کو معلوم ہے۔ اب یہ ایک اسم ہے بلا مسمّٰی سانپ نکل گیا مگر ہم ابھی تک لکیر پیٹے جا رہے ہیں۔ محمد علی مرحوم اس شخصیت اور قابلیت کے آدمی تھے کہ وہ اپنے کاموں کے لیے گھر بیٹھے ہزاروں لاکھوں روپیہ جمع کر سکتے تھے اور کرتے تھے، لیکن وہ اس بے دردی، بے پروائی اور غیر ذمہ دارانہ طور پر اسے صرف کرتے تھے کہ ان کے کام بھی برباد ہو جاتے تھے۔ ہم میں (خاص کر یوپی والوں اور خصوصاً مسلمانوں میں) اب تک زمیندار کی شان قائم ہے جو بادشاہی شان کی نقل ہے۔ ہم انتظام کرنا اور اعتدال کی شان کو ملحوظ رکھنا بالکل نہیں جانتے ہم صرف ایک ہی بات جانتے ہیں لوٹنا اور لٹانا۔

محمد علی مرحوم ہر اعتبار سے ایک دیو پیکر شخص تھا۔ اس کے رفقاء اور اس کے ہم عصر اس کے سامنے پودنے تھے مگر افسوس اسے اپنے اوپر قابو نہ تھا اور

یہی اس کی نا کامی کی اصل تھی ۔ ایک دوست جو بچپن سے اسے جانتے تھے اور جنھوں نے زندگی کی ہر منزل میں اسے دیکھا اور اس کا ساتھ دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ'' محمد علی کو لیڈری نے تباہ کیا'' اس میں مطلق شبہ نہیں کہ وہ اپنے ہمعصروں میں سب سے زیادہ لیڈری کے قابل تھا بشرطیکہ اسے اپنے نفس پر قابو ہوتا ۔ وہ جس طرح بیماری میں پر ہیز پر قابو نہیں رکھتا تھا اسی طرح ہر معاملے میں جوش کے وقت وہ اپنے اختیار سے باہر ہو جاتا تھا۔

محمد علی کی زندگی بہت سبق آموز اور نہایت عبرت انگیز ہے۔ اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل شخص بھی ابھی بہت پیچھے ہے۔ ہماری نا کامی کے اسباب خود ہم میں موجود ہیں۔ آج جس شے کے لیے ہم لڑ رہے ہیں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہم اس کے قابل نہیں ہم جب اپنے نفسوں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری سیرتیں خام، ہماری طبیعتیں نا تربیت یافتہ اور ہمارے نفس چور ہیں۔ ہمیں ابھی بہت سی ٹھوکروں اور بہت کچھ تربیت کی ضرورت ہے۔ جس چیز کی ہم خواہش کر رہے ہیں اس کے لیے پختہ سیرت اور اعتدالِ طبع کی ضرورت ہے اور وہ ابھی ہم سے کوسوں دور ہے۔

خاکہ

خاکے سے مراد ایک ایسی نثری تحریر ہے جس میں کسی شخصیت کی منفرد اور نمایاں خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آ جائے۔ اس کو انگریزی میں (PEN PORTRAIT) کہتے ہیں۔ خاکہ لکھنے والے کا اس انسان کی شخصیت سے نہ صرف متاثر ہونا ضروری ہے بلکہ اس سے واقفیت اور قربت بھی لازمی ہے۔ خاکہ نگاری سوانح نگاری سے مختلف ہے۔ اس میں سوانح حیات کی طرح واقعات ترتیب وار نہیں لکھے جاتے اور تمام حالات و واقعات کا بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ خاکہ نگار اسی شخصیت کا خاکہ لکھتا ہے جس سے وہ کسی نہ کسی طور ر پر متاثر ہو۔ لیکن اس کا بیان غیر جانب دار ہونا چاہیے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ خاکے میں شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کیا جائے۔ جس طرح خوبیوں کا بیان مرعوبیت سے پاک ہونا چاہیے۔ اسی طرح خامیوں کے بیان میں بھی ہمدردانہ رویّہ اختیار کرنا چاہیے۔

مولوی عبد الحق

(۱۸۷۰ء تا ۱۹۶۱ء)

بابائے اردو ڈاکٹر عبد الحق نے اردو کی ترقی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ ایک عظیم محقق، لغت نویس، زبان دان، خاکہ نگار اور صاحبِ طرزِ انشا پرداز کی حیثیت سے وہ بہت مشہور تھے۔ ۱۸۷۰ء میں ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ علی گڈھ سے بی اے پاس کیا۔ وہیں سرسید اور مولانا حالؔی سے صحبتیں رہیں۔ پنجاب اور حیدرآباد میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ اردو کے پروفیسر اور صدر رہے۔ پچاس سال تک انجمن ترقی اردو ہند کے سیکریٹری رہے۔ اگر چہ وہ اس کے بانی نہیں تھے لیکن اس انجمن کی بقا اور ترقی انھیں کی مرہونِ منت ہے۔ کیرالا میں انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ قائم کرنے کے لیے ۱۹۴۳ء میں کالی کٹ بھی تشریف لائے تھے۔ رسالۂ 'اردو' کے مدیر رہے۔ ڈاکٹر عبد الحق کی مجموعی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے الہ آباد اور علی گڈھ یونیورسٹیوں نے انہیں ڈی لٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا کی۔ ۱۹۶۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

قدیم کتابوں کی تدوین، ترتیب اور اشاعت کا کام ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مقدمات عبد الحق، خطبات عبدالحق، تنقیدات ِعبد الحق ان کی یادگار تصانیف ہیں۔ فرہنگ لغت اور اصطلاحات پر بھی انھوں نے کام کیا۔ 'چند ہم عصر' ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں شخصیتوں پر مضامین شامل ہیں۔ آپ کا اندازِ بیان صاف، سادہ، پرزور اور پختہ ہے۔

سرگرمیاں

۱) اردو کے مشہور خاکوں اور خاکہ نگاروں کی فہرست تیار کیجیے۔

۲) 'اگر انھیں ایک آتش فشاں پہاڑ یا گلیشیر سے تشبیہ دی جائے تو کچھ زیادہ مبالغہ نہ ہوگا'' مولوی عبدالحق مولانا محمد علی کے بارے میں ایسا کیوں کہتے ہیں؟

۳) خاکہ اور سوانح عمری میں کیا فرق ہے؟ بحث کرکے نوٹ لکھیے۔

۴) مولانا محمد علی مجاہدِ آزادی ہیں۔ اسی طرح کے کسی ایک مجاہدِ آزادی پر نوٹ لکھیے۔

۵) مولا نا محمد علی تحریکِ خلافت کے بانی ہیں۔ تحریک خلافت کے بارے میں معلومات فراہم کیجیے۔

۶) آپ کے خیال میں ایک سچے لیڈر میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہیں؟ ایک مضمون تیار کیجیے۔

۷) ''محمد علی کو لیڈری نے تباہ کیا۔'' اس کے اسباب بیان کیجیے۔

۸) جوہر نے کون سے رسالے نکالے۔ اس میدان میں ان کی نا کامی کی وجہ بتائیے۔

۱۶۔ قطعہ

پانی لے سکتے ہیں دریا سے مگر کوزے میں ہم
بہتے دریا کی روانی بند کر سکتے نہیں
شعر یوں کہنے کو کہہ لیں اخترؔ سچ یہ ہے
دل کے محسوسات کو لفظوں میں بھر سکتے نہیں

اخترؔ انصاری

قطعہ

قطعہ کے لغوی معنیٰ ٹکڑے کے ہیں۔ قطعے میں غزل یا قصیدے کی طرح کوئی مطلع یا قافیہ والا شعر نہیں ہوتا ۔تمام اشعار کے صرف دوسرے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ قطعہ کے اشعار مسلسل ہوتے ہیں۔ مضمون یا مفہوم کے اعتبار سے قطعہ کے لیے مستقل اور مکمّل ہونا ضروری ہے۔ ہر قسم کے مضامین اس میں سما سکتے ہیں۔ قطعہ کے لیے کم سے کم چار مصرعے ہوتے ہیں۔ عام طور پر قطعے میں اخلاقی مضامین باندھے جاتے ہیں۔

اکبرؔ الہ آبادی اور اختر انصاری اس میدان میں مشہور ہیں۔

تشبیہ

کسی چیز کو کسی چیز کے مشابہ یا ہم شکل قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ یہ شعری حسن کو بڑھانے کے لیے زیور کا کام کرتی ہے۔ اس کے ذریعے اصل چیز کی تصویر ہو بہو ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

مثلاً : 'چاند سا چہرا' 'پتھر جیسا دل' 'یاقوت جیسے ہونٹ' وغیرہ

اخترؔ انصاری

(۱۹۰۹ء تا ۱۹۸۸ء)

اخترؔ انصاری بدایوں (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دہلی اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن گئے مگر والد کی علالت کے باعث جلد واپس آ گئے۔ پہلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہوئے اس کے بعد ٹریننگ کالج میں بحیثیت لکچرر مقرر ہوئے۔

ان کی ادبی زندگی کا آغاز طالبِ علمی کے زمانے سے ہوا۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے اور تنقید بھی لیکن انھیں شہرت قطعات سے ملی۔ 'ایک ادبی ڈائری' 'افادی ادب' 'غزل کی سرگزشت' 'غزل اور غزل کی تعلیم' وغیرہ ان کی نثری تصنیفات ہیں۔ 'نغمۂ روح' 'روحِ عصر' 'دہانِ زخم' 'خندۂ سحر' 'درد و داغ' 'شعلہ بجام' 'آبگینے' وغیرہ اختر انصاری کے شعری مجموعے ہیں۔

سرگرمیاں

۱) قطعہ اور رباعی دونوں کی خصوصیات پر بحث کر کے بتائیے کہ دونوں میں کیا نمایاں فرق ہے۔

۲) اس قطعے کے ذریعے اختؔر انصاری کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۳) چند قطعہ نگاروں کے نام لکھیے۔

۴) آپ کے پسندیدہ موضوع پر ایک قطعہ تیار کیجیے۔

۵) اس قطعہ میں دل کے محسوسات کو کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

۶) درج ذیل شعر سے تشبیہ چن کر لکھیے۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

۱۷- زبانِ انقلاب

ہماری پیاری زبان اردو
ہمارے نغموں کی جان اردو
حسین دلکش جوان اردو

زبان وہ ،دُھل کے جس کو گنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اودھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے جس کے دل کی کلی کھلی ہے
جو شعر و نغمہ کے خلد زاروں میں آج کوئل سی کوکتی ہے

اسی زبان میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہو کر اسی زبان میں کہانیاں عشق کی کہی ہیں
اسی زبان کے چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں

اسی زبان سے وطن کے ہونٹوں نے نعرہَ انقلاب پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خود سری کا جواب پایا
اسی سے میری جواں تمنّا نے شاعری کا رباب پایا

یہ اپنے نغماتِ پُر اثر سے دلوں کو بیدار کر چکی ہے
یہ اپنے نعروں کی فوج سے دشمنوں پہ یلغار کر چکی ہے
ستم گروں کی ستم گری پر ہزار ہا وار کر چکی ہے

یہ وہ زبان ہے کہ جس نے زندان کی تیرگی میں دیے جلائے
یہ وہ زبان ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئے پھانسیوں کے سائے
فرازِ دار و رَسن سے بھی ہم نے سر فروشی کے گیت گائے

چلے ہیں گنگ و جمن کی وادی میں ہم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اُتر رہے ہیں ترانہء آبشار بن کر
رواں ہیں ہندوستان کی رگ رگ میں خون کی سُرخ دھار بن کر

ہماری پیاری زبان اردو
ہمارے نغموں کی جان اردو
حسین دلکش جوان اردو

علی سردار جعفریؔ

علی سردار جعفریؔ

(۱۹۱۳ء تا ۲۰۰۳ء)

سید علی سردار جعفریؔ کی ولادت قصبہ بلرام پور، ضلع گونڈا، اُترپردیش میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پہلے لکھنؤ پھر دہلی اور علی گڈھ میں انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ روز گار کے سلسلے میں انھوں نے ممبئی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ممبئی کے دورانِ قیام علی سردار جعفریؔ نے فلمی صنعت کو اپنی فکر کی ترسیل کا ذریعہ بنایا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اردو کے مشہور شعرا پر مشتمل ڈاکیومنٹری فلم 'کہکشاں' کے نام سے بنائی۔ اسی طرح ممبئی کے دفتروں میں کام کرنے والی خواتین پر بھی انھوں نے 'گیارہ ہزار لڑکیاں' کے نام سے ایک فلم بنائی۔

علی سردار جعفریؔ کا شمار اردو کے مشہور ترقی پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مشہور نقاد اور دانشور بھی ہیں۔ 'نئی دنیا کو سلام' 'ایک خواب اور' 'پتھر کی دیوار' 'لہو پکارتا ہے' وغیرہ ان کے اہم شعری مجموعے ہیں۔ شاعری کے ساتھ نثر میں بھی انھیں قدرت حاصل تھی۔ 'ترقی پسند ادب' 'لکھنؤ کی پانچ راتیں' 'پیغمبرانِ سخن' وغیرہ ان کی معروف نثری کتابیں ہیں۔ وہ کئی ادبی رسالوں کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔

انھوں نے ظلم و نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ ان کی نظموں کا خاص موضوع طبقاتی کشمکش ہے۔ انسان دوستی کے جذبات، سیاسی، قومی شعور اور عوامی مسائل کی عکاسی جیسے موضوعات بھی ان کے کلام میں ملتے ہیں۔

۱۹۹۸ء میں انھیں ہندوستانی ادب کے اعلیٰ ترین اعزاز گیان پیٹھ ایوارڈ حاصل کیے اور پدم شری خطاب، اقبال سمّان جیسے اہم ایوارڈ سے بھی انھیں نوازا گیا ہے۔ ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

سرگرمیاں

۱) اردو زبان پر لکھے گئے کچھ اشعار جمع کیجیے اور ایک ''اردو نمبر'' تیار کیجیے۔

۲) 'تحریک آزادی میں اردو کا رول' اس موضوع پر ایک سمینار منعقد کیجیے اور مقالہ پیش کیجیے۔

۳) اسی زبان سے وطن کے ہونٹوں نے نعرۂ انقلاب پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خودسری کا جواب پایا

اس میں 'انقلاب پایا' 'جواب پایا' جیسے الفاظ نظم کی خوبصورتی بڑھاتے ہیں۔ اس طرح کے چند مصرعے بنایئے۔

۴) اردو میں گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ ادیبوں کے نام لکھیے۔ اور کسی ایک ادیب پر نوٹ لکھیے۔

۵) 'یہ وہ زبان ہے کہ جس نے زنداں کی تیرگی میں دیے جلائے'
اس مصرعہ کی تشریح کیجیے۔

۶) 'فرازِ دار و رَسن سے بھی ہم نے سرفروشی کے گیت گائے' اس مصرعے کی روشنی میں یہ بتایئے کہ انگریزوں کی جابر حکومت کے خلاف لڑنے کی ہمت اردو زبان نے کس طرح بخشی۔

۱۸- دارا شکوہ

کردار

شاہ جہاں	:	مغل بادشاہ
دارا شکوہ	:	شاہ جہاں کا بیٹا
روشن آرا	:	دارا شکوہ کی بہن
ذرافشاں	:	ایک کنیز
نادرہ	:	دارا شکوہ کی بیوی
جیون	:	دادار کا صوبہ دار
اورنگ زیب	:	شاہجہاں کا دوسرا بیٹا
نذر خاں	:	سپہ سالار (ملٹری افسر)
جہاں آرا بیگم	:	دارا کی چھوٹی بہن
داؤد خان	:	پنجاب کا صوبہ دار

دارا شکوہ

پہلا منظر

(روشن آرا کا ایوان۔ رقاصہ ناچ رہی ہے۔ محفلِ رقص کا سماں بندھ گیا ہے)

روشن آرا : (اچانک تلخی سے) رقص بند کرو۔ ہمارا دل سکون نہیں پاتا زرافشاں۔

زرافشاں : حضور

روشن آرا : کنیزوں سے کہو جائیں۔ہمیں تنہائی چاہیے۔(سب چلی جاتی ہیں صرف زرافشاں رہ جاتی ہے)

زرافشاں : (قریب آکر) نصیب دشمناں حضور شہزادی صاحبہ کا مزاج کیسا ہے۔ لیجیے۔ اب تو تخلیہ ہو گیا۔ اب تو حضور باندی سے دل کا حال۔

روشن آرا : (بات کاٹ کر) دل کا حال پوچھتی ہو۔ روشن آرا کے سر پر قیامت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ہمارے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔ ہمارا خون کھول رہا ہے۔زرافشاں ہم سب کچھ کر ڈالیں گے۔مسل کر رکھ دیں گے۔ آج ظلّ سبحانی نے دارا کو سر دربار دوسرے تخت پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ دارا کو ہاتھیوں کی لڑائی سے دل

بہلانے کی رخصت دی گئی ہم یہ نہیں دیکھ سکتے۔

زرا فشاں : مگر حضور ظلِّ سبحانی کا حکم۔

روشن آرا : (بات کاٹ کر) روشن پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ یہ سارا بس انھیں بی جہاں آرا بیگم کا بویا ہوا ہے۔ وہ ظلِّ سبحانی کی ایسی چہیتی بنی ہیں کہ ظلِّ سبحانی کے جیتے جی تخت و تاج کا فیصلہ کیے دے رہی ہیں ہم جانتے ہیں زرافشاں ہندوستان کے تخت پر دارا کی پر چھائی نہیں پڑے گی۔

زرافشاں : آخر صاحب عالم آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ خون آخر خون ہے۔ آخر ماں جایا بھائی ہیں۔

روشن آرا : جاہلوں کی سی باتیں مت کرو۔ تم بزدلوں نے کبھی اپنے بھائیوں کو زنجیروں پہنے تلواروں کے زخم کھاتے نہیں دیکھا۔

زرا فشاں : (گھبرا کر) نوج سرکار خدا نہ کرے۔

روشن آرا : ہم شہزادیوں کے لیے یہ کھیل ہے اور یہ کھیل دارا کے ساتھ بھی کھیلا جائے گا۔ (دارا داخل ہوتا ہے)

دارا : ہم آ سکتے ہیں روشن!

روشن آرا : بھائی جان آپ!

(زرافشاں سلام کر کے چلی جاتی ہے)

دارا : کیا کھیل کھیل رہی تھیں۔

روشن آرا : کچھ نہیں یوں ہی شطرنج کی بازی کا ذکر تھا۔

دارا : خوب۔

روشن آرا : میں تو خود آپ کو مبارک باد پیش کرنے کے لیے حاضر ہونے والی تھی میں نے جب سے یہ خبر سنی ہے۔ دل ہی دل میں واری صدقے جارہی ہوں۔ خدا یہ تخت آپ کو مبارک کرے۔

دارا : کون سا تخت روشن؟

روشن آرا : واللہ حد ہوگئی ہے بے خبری کی۔ محل کے کونے کونے میں چرچا ہے کہ حضور ظل سبحانی نے آپ کو سر دربار دوسرے تخت پر بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دارا : دلّی کا تخت بہت چھوٹا ہے روشن۔ مجھے اس سے بہت بڑی دولت ملی ہے خواب میں مجھے بشارت دی گئی ہے۔ تجھے اللہ تعالی ایسی نعمت عطا فرمائے گا جو ساری دنیا میں کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سے دونوں جہان کی محبت میرے دل سے اٹھ گئی ہے اور فضل و رحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے ہیں۔ یہ روحانی دولت دلّی کے تخت و تاج سے کہیں زیادہ ہے۔

روشن آرا : بھیاّ۔ میں نہ چندر بھان برہمن ہوں نہ سرمد فقیر کہ آپ کی باتیں سمجھ سکوں۔ آپ تو مطالعہ وتصنیف میں ایسے کھوئے رہتے ہیں کہ تخت سے بھی بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں۔

دارا : میرے مرشد ملاّ جیون اور شاہ محمد نے مجھے یہی ہدایت دی ہے۔ (خاموش ہو جاتا ہے پھر تھوڑی دیر بعد سوچ کر) تمھارا نمازی بھیاّ محی الدّین مجھے کافر کہتا ہے بات اتنی ہے کہ میں خدا کو ایک مانتا ہوں اس کے سوا دنیا میں اور کچھ نہیں ہے۔ ہر انسا ن کے دل میں اس کے نور کی چنگاری ہے۔ اس تک پہنچنے کے راستے الگ الگ ہیں۔ مگر سب کی منزل تو ایک ہے پھر میں دوسرے راستوں دوسری سچائیوں کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہ کروں۔ اپنشد اور بھگوت گیتا کے فارسی ترجمے ہوئے تو کتنے چھپے ہوئے بھید کھل گئے۔ کیا بھید کھولنا کفر ہے۔ کیا دوسرے مذاہب کو سمجھ کر حقیقت تک پہنچنا کفر ہے (پھر کچھ سوچنے لگتا ہے اور کھو جاتا ہے) تم نے بابا لال فقیر سے میرے سوال و جواب پڑھے ہیں۔

روشن آرا : آپ کی کتابیں اور رسالے تو اب اتنے ہیں کہ کوئی کہاں تک پڑھے۔

دارا : ان مکالموں کو پڑھنا۔ ان میں میں نے حقیقت کو ایک نئے انداز سے بے نقاب کیا ہے۔

روشن آرا : بھیا صوفیوں اور فقیروں سے زیادہ اب آپ کو امراء سے کام لینا ہے۔

دارا : زمانہ بادشاہوں کے نام بھلا دیتا ہے فقیروں کے یاد رکھتا ہے۔

روشن آرا : کیا خیال ہے آپ کا؟

دارا : نہیں۔تم کبھی علاء الدّین خلجی کے مزار پر گئی ہو۔

روشن آرا : نہیں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں دفن ہے۔

دارا : اور نظام الدّین اولیاء

روشن آرا : ان کا مزار تو خیر و برکت کا دربار ہے۔

دارا : علاؤ الدّین کو زمانے نے بھلا دیا مگر نظام الدّین اولیاؒ ور امیر خسروؒ کو کون بھلا سکتا ہے۔ مجھے ایک بات کا خیال نہ ہوتا تو میں ہندوستان کا تخت اپنے تینوں بھائیوں میں سے کسی ایک کے لیے چھوڑ دیتا۔

روشن آرا : (حیرت سے) بھیاّ! (تھوڑی دیر بعد) ایسی فال بد زبان سے نہ نکالیے۔

دارا : مگر خواہر عزیز میں اس ملک میں رواداری محبت اور ملاپ کی فضا چاہتا ہوں جو جدّ اعلیٰ شہنشاہ اکبر نے قائم کی تھی۔ مذہب کو ملاپ کا ذریعہ ہونا چاہیے نفرت کا نہیں۔ ہمارے دیس میں رام اور رحیم کے ماننے والے ہمہ اوست اور تت توام اسی میں اسی کا جلوہ دیکھیں۔ میں تخت و تاج صرف اسی لیے چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر سارے مذہبوں کو ایک دوسرے سے قریب لا سکوں۔ ایک بار پھر ہندوستان ایک ہو جائے یہی میرا خواب ہے یہی مراارمان ہے۔

روشن آرا : بھائی جان! آپ پر کفر کا جادو چل گیا ہے۔

دارا : کفر میں بھی اس کا جلوہ ہے۔ اسلام میں بھی۔

روشن آرا : خیر آپ جانئے۔ مگر ہندوستان ان خیالات کی تاب لا سکے گا۔

دارا : ممکن ہے میں ہندوستان کو ایک نہ کرسکوں ممکن ہے میرا سر بھی لال قلعے کے کنگوروں پر لٹکایا جائے۔ ممکن ہے

میں تخت و تاج کی لڑائی ہار جاؤں مگر میرا کام صرف کوششیں اور عمل ہے۔ انجام سے مجھے سروکار نہیں۔

روشن آرا : آپ جو خواب دیکھتے ہیں بھائی جان۔ ان کی تعبیریں کہاں سے آئیں گی۔

دارا : دارا اپنے خون سے ان خوابوں کو جگمگا کر چھوڑ جائے گا کہ آنے والی نسلیں ان سے اپنے چراغ روشن کر سکیں۔ تاریخ ان خوابوں سے اپنی مانگ میں سیندور بھر سکے۔

(زرافشاں داخل ہوتی ہے)

زرافشاں : صاحب عالم! ظل سبحانی نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔

دارا : ابھی!

زرافشاں : تاکید فرمائی ہے۔

دارا : اچھا روشن، خدا حافظ

(روشن کھڑی ہو کر تعظیم دیتی ہے اور سلام کرتی ہے۔ دارا چلا جاتا ہے تو کنیز کو روشن آرا اپنے پاس بلاتی ہے)

زرافشاں : حضور ایک راز کی بات معلوم ہوئی ہے۔

روشن آرار : جلدی بول

زرافشاں : ظلّ سبحانی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔

روشن آرا : کیا بکتی ہے۔

زرافشاں : سچ! شاہی چوبدار کہتا تھا کہ صاحب عالم کو اسی لیے بلایا گیا ہے۔

روشن آرا : ظلّ سبحانی کی طبیعت ناساز ہے ....(سوچتے ہوئے) ظلّ سبحانی کی طبیعت ناساز ہے۔

(اندھیرا)

دوسرا منظر

(کچھ مدت بعد۔ شاہجہاں کی خواب گاہ)

شاہ جہاں : ہماری علالت نے بھی کتنا طول کھینچا ہے۔

دارا : ظلّ سبحانی کی طبیعت چند ماہ سے علیل ہے۔ اب انشاللہ جلد ہی شفایاب ہو جائیں گے۔

شاہ جہاں : تم نے اور جہاں آرا نے ہمیں بچایا ہے۔

دارا : آپ کیا فرماتے ہیں!

شاہ جہاں : ہم حیران ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج اور مرے ہوئے شہنشاہ کو کون بچانا چاہتا ہے۔ سب ابھرتے ہوئے سورج کے پجاری ہوتے ہیں۔ تم عجیب شہزادے ہو کہ تخت کے وارث ہونے میں بھی جلد بازی سے کام نہیں لیتے۔

دارا : کیا تخت و تاج کی ہوس انسانیت سے بڑھ کر ہے۔

آپ کا سایہ سر پر ہے تو میرے لیے یہی تخت و تاج سے کم نہیں۔

شاہ جہاں : اس بیماری میں ہمیں تمھاری قدر معلوم ہوئی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ دارا ہمیں اتنا چاہتا ہے۔

دارا : ظلِّ سبحانی۔شرمندہ ہوں کہ آپ کے تمام احکام نہ بجا لا سکا۔

شاہ جہاں : تم نے کون سے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

دارا : آپ کی علالت کی خبر راز نہ رہ سکی قلعے سے آمد ورفت پر سخت پابندی رکھی گئی مگر پھر بھی افواہیں دکن اور گجرات تک جا پہنچیں ہیں۔ مراد نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ محی الدّین کی فوجیں راجدھانی کی سمت بڑھ رہی ہیں۔

شاہ جہاں : ہم دربار کریں گے۔کیا ہمارے جیتے جی وہ جانشینی کے لیے خون خرابہ کرنا چاہتے ہیں۔ہم انھیں حکم دیں گے کہ وہ بغاوت سے باز آئیں۔

دارا : ظلِّ سبحانی۔ یہ ہماری تقدیر ہے۔ سارے مغل شہزادوں کی تقدیر ہے۔ یا تو ان کے ہاتھ ان کے بھائیوں کے خون سے رنگے جائیں یا ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور انھیں دار پر لٹکایا جائے۔

شاہ جہاں	:	سرکاری فوجوں کو تیاری کا حکم دو۔ ہم تمھارے ساتھ چلیں گے ان سر پھروں کو راجدھانی میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا۔
دارا	:	نہیں ابّا جان۔ آپ کی صحت ابھی اس قابل نہیں۔ میں آپ کا حکم ان تک پہنچادوں گا آپ کے حکم کی بجا آوری میں مجھے جان بھی دینی پڑے تو میرے لیے عین سعادت ہے۔
شاہ جہاں	:	میرے بیٹے۔ میرے سینے سے لگ جا۔ کاش ہم ایک بوڑھے معمار ہوتے جو ہر روز مزدوری کرنے کے بعد شام کو اپنے بچّوں کو سینے سے لگا سکتا ہے۔ جسے اپنے بیٹوں کے خون سے ہولی نہیں کھیلنی پڑتی۔ مگر دارا۔ ہمت نہ ہارنا میرے بیٹے نیکی کبھی نہیں ہارتی۔ یاد رکھنا حق تیرے ساتھ ہے۔
دارا	:	میرے اوپر بھروسہ کیجیے ابّا جان۔دارا آپ کا حکم بجا لائے گا اکبر اور شاہ جہاں کے ہندوستان کے لیے دارا کو اپنا سب کچھ نچھاور کرنا پڑے تو بھی میرا قدم پیچھے نہ ہٹے گا فتح آپ کی ہوگی۔

شاہ جہاں : اچھا رخصت ۔ خدا کرے فتح وکامرانی تیرے قدم چومے۔ خدا کرے تیرے ناعاقبت اندیش بھائی خانہ جنگی سے باز آئیں۔

(دارا رخصت ہوتا ہے)

(اندھیرا)

تیسرا منظر

(پنجاب کے میدانوں میں شاہی خیمے کے اندر رات کے وقت)

دارا : (خود کلامی کے انداز میں) دھرمٹ کی لڑائی ہاری جا چکی۔ صاحب عالم سے بے خانماں بے آسرا ہو کر پنجاب کے ان میدانوں میں بھٹکنا ہمارا مقدر ہے۔

نادرہ : اب کیا ہوگا میرے سرتاج!

دارا : اپنا جی میلا نہ کرو نادرہ ۔ زمانہ کروٹیں بدلتا ہے۔ ہم نے جنگ ہاری ہے ہمت نہیں ہاری۔

نادرہ : یہ سب کچھ کیسے ہوگیا میرے آقا!

دارا : تقدیر کا کھیل ہے۔ ہماری فوج ساموگڈھ میں بہادری سے لڑی۔ اگر خلیل اللہ خاں غداری نہ کرتا تو فتح ہماری ہوتی۔ ہاتھی سے اتر

کر ہمارا گھوڑے پر سوار ہونا غضب ہو گیا۔ ہودہ خالی دیکھ کر ہماری فوجوں کی ہمت پست ہوگئی۔ پانسہ پلٹ گیا۔

(نادرہ کی سسکی)

دارا : اب ہم تمھیں شاید ہندوستان کی ملکہ تو نہ بنا سکیں گے۔ صرف اپنے دل وجان کی سلطنت ہی تمھیں سونپ سکتے ہیں۔

نادرہ : میرے لیے آپ کے قدموں سے لگا رہنا ہی بڑی عزّت ہے۔

دارا : ہمارا راستہ خطرناک ہے۔

نادرہ : میرے لیے آپ کے ساتھ موت بھی قبول ہے۔

دارا : تمھاری صحت ٹھیک نہیں رہتی نادرہ۔ میرے ساتھ تمھارا مارے مارے پھرنا ٹھیک نہیں۔

نادرہ : مگر یہاں پنجاب میں آپ کے جان نثار موجود ہیں۔ یہاں کے صوبیدار داؤ دخاں پر تو آپ کے بڑے احسانات ہیں۔

(داؤ دخان خیمے کے دروازے پر اپنا ذکر سن کر ٹھٹک کر رہ جاتا ہے)

دارا : احسان ایسا لفظ ہے جس کے معنیٰ بدلتے رہتے ہیں۔ وقت اور تقدیر سب کچھ بدل دیتی ہے۔

نادرہ : تو کیا آپ کو اس کی وفاداری پر شبہ ہے۔

دارا : اس کے بھی بیوی بچے ہیں، خاندان ہے اسے بھی عزت چاہیے اطمینان چاہیے۔ مگر دارا شبہ میں نہیں پڑتا۔ ہمیں یقین ہے نادرہ

کہ موت اور زندگی سب خدائے عزو جل کے ہاتھ میں ہے۔
جب تک وہ ہمیں زندہ رکھنا چاہے گا ہمیں کوئی بھی مار نہیں سکتا۔

نادرہ : ایسی باتیں نہ کیجیے۔

دارا : ہم نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے۔ مگر تمھیں اس آزمائش میں ڈالتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

نادرہ : میں کچھ نہیں سمجھی میرے سرتاج

دارا : (خط نکال کر دیتا ہے) یہ خط پڑھو۔

نادرہ : کیسا خط ہے؟

دارا : آج ہمارے جاسوس یہ خط اڑا لائے ہیں۔

نادرہ : کس کا خط ہے؟ (خط لیتی ہے) محی الدّین اورنگ زیب کا خط داؤد خان کے نام ! کیا یہ سچ ہے میرے سرتاج۔ کیا! ابھی ہماری مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ کیا ہم خود جان بوجھ کر دشمنوں کے نرغے میں آگئے ہیں۔

دارا : شاید جسم و جان کی نجات قریب ہے۔ ہم موت سے نہیں گھبراتے وہ تو وصال محبوب کا پیام ہے۔ مگر نئے ہندوستان کے میرے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔ خواب مرنے نہیں دیتے نہیں تو میں اپنے کو محی الدین کے حوالے کر دیتا اور کہتا، "لو اس تھکے ہارے جسم کو پھانسی پر لٹکا دو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔

میری روح اس سے بہت بلند ہے۔ اس تک تمھارے ناپاک ہاتھوں کی رسائی نہیں۔''

نادرہ : ایسا نہ کہیے۔ فال بد زبان سے نہ نکالیے۔ یہاں سے کوچ کی تیاری کیجیے۔ داؤد خان نمک حرام کے چنگل سے ....

(اندھیرا)

چوتھا منظر

(بلوچستان کا علاقہ ۔ وہی خیمہ)

نادرہ : (کھانستے ہوئے) اب ہم کہاں ہیں؟

دارا : ہمارا قافلہ بلوچستان کے قریب آ پہنچا ہے۔

نادرہ : اگر ہم راتوں رات پنجاب سے نہ بھاگتے تو ان مصیبتوں میں نہ پھنستے۔

دارا : ملتان اور سندھ کے سفر کی مصیبتیں کاٹھیا وار اور اجمیر کے سفر کی صعوبتیں دیورائی کی فیصلہ کن لڑائی کی مصیبتیں۔ اب دارا کے لیے زندگی مصیبتوں کی ایک طویل داستان ہے۔

نادرہ : کتنا سفر اور باقی ہے۔

دارا : نادرہ۔ تمھاری طبیعت بہت خراب ہے۔ طبیب کہتا ہے سفر خطرناک ہے۔

نادرہ : میں اچھی ہوں مالک

دارا : ہر طرف اندھیرا ہے۔ ہر طرف مایوسی کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ فرار کے راستے بھی بند ہیں۔ البتہ بلوچی سردار۔ میرزا آیا تھا وہ ہمیں قندھار تک حفاظت سے پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے۔

نادرہ : کیا اور کوئی راستہ نہیں ہے کیا ہند وستان چھوڑنا ہی پڑے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ مرنے کے بعد اسی ملک میں دفن کی جاؤں جس کی خاک کو ہم نے اپنے خون سے سینچا ہے۔

دارا : قندھار سے ہم کمک لے کر ہندوستان آئیں گے۔ ہم کامیاب ہوں گے مگر اس وقت تو جانا ہی ہوگا۔

نادرہ : میرا دل ڈرتا ہے میرے مالک۔ قبائلوں کے ہاتھ میں اپنی عزت سونپنا نہیں چاہتی۔ اس اجنبی ملک کا کیا بھروسہ۔

دارا : ایک راستہ اور ہے ۔درہ بولن کے قریب دادار کے صوبے دار ملک جیون کو میں نے ایک بار ہاتھی پاؤں تلے روندے جانے سے بچایا تھا۔ اس کی جاں بخشی کے لیے ہی میں نے جہاں پناہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تھی۔ چلو دادار میں اس کی پناہ میں چلتے ہیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔

(اندھیرا)

پانچواں منظر

(وہی خیمہ۔کوہستان کا پس منظر)

نادرہ : دادار کتنی دور ہے مالک۔

دارا : بہت قریب ہے۔

نادرہ : میں دادار پہنچ سکوں گی۔

دارا : کیوں نہیں۔ راستہ زیادہ دشوار نہیں ہے۔

نادرہ : نہیں میرے سرتاج مجھے بہت دشوار لگتا ہے۔

دارا : ایسا نہ کہو نادرہ۔ دنیا میں دارا کا آسرا تم ہی ہو۔

نادرہ : مجھے دکھ ہے صاحب عالم۔ آپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ مصیبتوں میں دشمنوں میں تنہا چھوڑ کر۔

دارا : نہیں نادرہ نہیں۔ قدرت اس قدر بے رحم نہیں ہوسکتی۔ میرے خدا! بے آسرا اور بے خانماں دار پر رحم۔ بار خدایا! ہمیں اور زیادہ آزمائش میں نہ ڈال۔

نادرہ : میری ایک آرزو ہے صاحب عالم!

دارا : کہو! دارا کی جان تیرے لفظ پر قربان ہو۔

نادرہ : میں اس شہر میں دفن کی جاؤں جہاں ملکہ نور جہاں دفن ہیں۔ وہ اپنے شوہر کی چہیتی تھیں اور مجھے آپ کا غیر فانی پیار ملا۔ میرے لیے یہی سب سے بڑی دولت ہے۔

دارا : میری البیلی ملکہ۔ نادرہ۔تم نے دارا سے مانگا بھی تو کیا مانگا مدفن کے لیے زمین۔تم نے آسمان کے تارے مانگے ہوتے دارا اپنی جان دے کر بھی انھیں کہکشاں سے توڑ کر تمھارے قدموں پر نچھاور کرتا۔ چاند اور سورج مانگے ہوتے کہ پیار سے آرتی اتارتے۔تم نے اس تہی دست سے مانگی بھی تو قبر کے لیے زمین۔

نادرہ : (بے ہوشی کے عالم میں) چاروں طرف اندھیرا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ مجھے معاف کرنا صاحب عالم مجھے معاف کرنا۔
(موت کی ہچکی)

دارا : نادرہ! نادرہ! نادرہ!

(اندھیرا)

چھٹا منظر

(وہی خیمہ۔ وہی جگہ۔صبح تڑکے)

قافلہ سالار : صاحب عالم! سپاہیوں کے لیے کیا حکم ہے؟

دارا : شہزادی صاحبہ کے جنازے کو لے کر گل محمد اور مقبول کو پنجاب بھیج دیا گیا؟

قافلہ سالار : حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔

دارا : خوب (کچھ سوچ کر) کوچ کی تیاری کرو۔ درہ بولن کی طرف چلو! اسے پار کر کے ہم قندھار چلیں گے۔

ساتواں منظر

(اسٹیج خالی ہے۔ قافلہ داخل ہوتا ہے۔ دارا سب سے آگے ہے دوسری سمت زرہ پوش ملک جیون داخل ہوتا ہے اس کے ساتھ زرہ پوش دو چار سپاہی اور بھی ہیں)

ملک جیون : ٹھہرو! یہ قافلہ آگے نہیں جائے گا۔

دارا : کون (ملک جیون نقاب الٹ دیتا ہے) ملک جیون! کیا چاہتے ہو!

ملک جیون : اپنا انعام!

دارا : اب دارا کے پاس کچھ نہیں ہے۔

ملک جیون : مگر شکست خوردہ دارا کو محی الدین کے حوالے کر کے ہی اب بھی بہت کچھ پا سکتا ہوں۔

دارا : ملک جیون! کیا انسان اتنا ذلیل بھی ہو سکتا ہے۔ کیا

اس قدر احسان فراموش اور کمینہ بھی ہوسکتا ہے۔ کیا تو وہ دن بھول گیا جب دارا نے تجھے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے جانے سے بچالیا تھا۔

ملک جیون : وہ شہزادہ دارا تھا۔ یہ باغی دارا ہے۔ یہ دنیا ہے شہزادے یہاں جب بھائی بھائی کا خون پیتا ہے۔ بیٹا باپ کا گلا گھونٹتا ہے۔ایسی دنیا میں احسان اور محسن کی کیا قیمت ہے۔

دارا : مجھے احسان اور محسن کی قیمت نہ بتا۔ غدار۔ تو کیا چاہتا ہے۔

ملک جیون : دہلی تک آپ کی ہم رکابی کا شرف

دارا : تو ہمیں حراست میں لینا چاہتا ہے۔

ملک جیون : سپاہیو! دیکھتے کیا ہو صاحب عالم کو حراست میں لے لو۔ شہزادہ سپہر شکوہ کو پیٹھ کے پیچھے باندھ دو۔

دارا : احسان فراموش ذلیل کتّے! قسمت کے اس کھیل میں تو جلّاد ہے اور ہم مظلوم۔ ہم نے تیری جان بچائی تھی۔ اس جرم کی پاداش میں ہماری جان لے لے۔ مگر شہزادہ سپہر شکوہ نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ خبر دار! کبھی کسی مغل شہزادے نے یہ ذلت برداشت نہیں کی۔

(سپاہی شہزادہ سپہر شکوہ کو گھیر لیتے ہیں۔ دارا ان کی طرف جھپٹتا ہے۔ مگر مجبور ہو جاتا ہے۔)

(پردہ گرتا ہے)

آٹھواں منظر

(قلعہ کا ایک حصّہ ۔ اورنگ زیب کا ایوان ۔ اورنگ زیب سوچ میں ٹہل رہا ہے)

روشن آرا : (ہنستی ہے) محی الدین بھیاّ بھی خوب ہیں۔ ہندوستان کی بادشاہی دروازے پر دستک دے رہی ہے اور اب بھی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بخدا اس سادگی کا بھی جواب نہیں۔

اورنگ زیب : ہمیں بڑا اہم فیصلہ کرنا ہے۔

روشن آرا : اے ہے۔ ذرا ہم بھی تو سنیں کون سا ایسا اہم فیصلہ ہے وہ ذرا سی دیر میں ابھی ہوا جاتا ہے۔

اورنگ زیب : کل دارا کی تشہیر کی گئی۔ ایک بے حال اور بدرونق ہتنی پر بٹھا کر اس کو ذلت کے ساتھ بازاروں میں گھمایا گیا۔

روشن آرا : (ہنستی ہے) خوب ہوا۔ تو اس میں بھلا اس قدر سوچ کی کیا بات ہے۔

اورنگ زیب : جانتی ہو کیا ہوا۔ دارا سر جھکائے ہتنی پر بیٹھا تھا۔ ایک فقیر اس کی ہتنی کے پاس آیا اور چلّایا۔ دارا جب تو صاحب ثروت تھا تو ہمیشہ مجھے خیرات دیا کرتا تھا اب کس کے پاس جاؤں۔ آج تو تیرے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ دارا نے سر سے اپنا عمامہ اتار کر فقیر کی طرف پھینک دیا۔

روشن آرا : تو کیا ہوا۔ فقیروں ہی نے دارا کا دماغ خراب کیا ہے۔

اورنگ زیب : عوام میں بہت مقبول ہے۔ آج صبح ملک جیون اور اس کے ساتھیوں پر دلی والوں نے حملہ کر دیا۔ وہ جس راستے سے گزرتے تھے لوگ ان پر گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینکتے تھے۔ اگر دارا کو قتل کر دیا گیا تو ڈر ہے کہیں عوام شورش نہ کریں اس کا قتل مصلحت کے خلاف ہے۔

روشن آرا : دشمن کو اپنے چنگل میں لاکر چھوڑ دینا کون سی مصلحت ہے۔

اورنگ زیب : عوام بغاوت کر دیں گے۔ میں بھائی کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔

روشن آرا : تو آپ بھی مذہب اور معاملات میں باپ اور بھائی کا

امتیاز کرتے ہیں۔ انصاف اندھا ہوتا ہے بھائی جان۔

اورنگ زیب : تقریب خاں، دانشمند خاں اور خلیل اللہ خاں کے علاوہ سبھی امرائے سطلنت کا یہی مشورہ ہے کہ دارا کو گوالیار کے محفوظ قلعے میں قید رکھا جائے۔

روشن آرا : امراء سب بزدل اور بے وقوف ہیں۔ میں کہتی ہوں بھائی جان کیا آپ بھول گئے کہ دارا نے آپ کے خلاف کیا کیا سازشیں کی تھیں۔ بیجاپور میں کس طرح آپ کو لڑائی سے واپس بلایا تھا۔ کس طرح جاگیر اور دولت کے لیے ترسایا۔ کس طرح اپنا نیا محل دکھانے کے بہانے آپ کو ایسے کمرے میں قید کرنے کا منصوبہ بنایا جس کا صرف ایک دروازہ تھا۔ کس طرح ابّا جان کی بیماری کی خبر آپ سے چھپائی گئی اور اپنی تخت نشینی کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔ کیا جاہل عوام کے جذبات کی خاطر آپ سلطنت دین اور انصاف کا خون کردیں گے۔ آپ سانپ کو دودھ پلا پلا کر پالیں گے کہ وہ ایک دن تخت طاؤس کو ڈس لے۔ اگر آپ کے امراء اس قدر بزدل ہیں تو میں کہتی ہوں تلوار مجھے دیجیے میں اس کا سر اتارلوں گی۔

اورنگ زیب : بس روشن آرا۔ ہمارے قہر کو مت للکارو

روشن آرا : بھائی جان مجھے دارا کا سر چاہیے۔ میں اسے ابّا جان اور ان کی چہیتی جہاں آرا کو تحفے میں بھیجوں گی۔

اورنگ زیب : ہم وعدہ کرتے ہیں روشن۔ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ کل اس کی لاش بازار میں ذلت کے ساتھ گھسیٹی جائے گی اور اس کا سر تیرے قدموں میں ڈال دیا جائے گا۔ (غصّے میں تلوار سنبھالتا ہوا محل سے باہر چلا جاتا ہے۔ روشن خوشی اور غرور سے مست تھوڑی دیر اس کو جاتے ہوئے دیکھتی رہتی ہے)

(اندھیرا)

نواں منظر

(قید خانے میں دارا کی کوٹھری)

دارا : (قید خانے کا دروازہ کھلتا ہے اور نذر خاں کو داخل ہوتا دیکھ کر) تم آ گئے نذر خاں۔ وہ گھڑی آ گئی آخر کار۔

نذر خاں: ہم لوگ تو صرف ظلّ سبحانی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔

دارا : ظلّ سبحانی۔ کون ظل سبحانی!

نذر خاں: محی الدین اورنگ زیب عالم گیر فرماں روائے ہندوستان۔

دارا : تم تخت و تاج کے اندھے پجاری کو ظلّ سبحانی کہتے ہو۔

نذر خاں: ظلّ سبحانی کا پیغام ہے اگر آپ اپنے ملحدانہ خیالات سے توبہ کر لیں تو خدا اب بھی بڑا غفار ہے۔

دارا : اس سے کہنا دارا بیو پاری نہیں ہے۔ وہ خوابوں کے لیے مر سکتا ہے خوابوں کی تجارت نہیں کرتا۔ اگر ساری انسانیت کو پیار کرنا کفر ہے تو ہم کافر ہیں۔ میرے نادان بھائی سے پوچھنا کہ انسانیت کو پیار کرنا کفر ہے۔ تخت و تاج کے لیے باپ بھائی کو قتل کرنا کفر نہیں ہے۔ اس سے کہنا یہ بھی خدا ہی کا کرشمہ ہے ہم میں سے ایک کو جلاد کا روپ ملا ہے۔ دوسرے کو شہید کا۔ ایک قاتل بنا ہے دوسرے کا سر نذر کرنے کو تیار ہے۔ اس کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے کہ صحیح راستے پر کون تھا۔ کون ہندوستان کا محسن تھا اور کون غدار۔

نذر خاں: تو آپ تائب ہونے سے انکار کرتے ہیں۔

دارا : ہاں

نذر خاں: آپ ظلّ سبحانی محی الدین اورنگ زیب عالم گیر کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

دارا : ہمیں وحدہ لاشریک کے سوا اور کسی کی اطاعت قبول نہیں۔

نذر خاں: تو مجھے مجبوراً احکام کی تعمیل کرنی ہوگی۔ مجھے مجبوراً انصاف کا نا خوشگوار فرض ادا کرنا ہوگا۔

دارا : اس بزدل حکمراں سے کہو کہ ہمارے ہاتھ میں تلوار دے کر خود مقابلہ کرے۔ کیا انصاف یہی ہے کہ ایک نہتے مغل شہزادے پر قید خانے میں تم سب ٹوٹ پڑو۔ کیا یہی انصاف ہے کہ ابّا حضور کے جیتے جی ملک گیری کے خواب دیکھنا اپنے شفیق باپ کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کرنا انصاف ہے کیا بھائی کے خون سے ہاتھ رنگنا انصاف ہے۔

نذر خاں: شہزادے! انصاف کا فیصلہ تلوار کیا کرتی ہے۔

دارا : تو پھر کیوں ڈرتے ہو۔ دارا کا سر کاٹ لو۔ مگر کیا تم ہمارے خیالات کا سر بھی قلم کر سکو گے۔ ہماری روح کو بھی قتل کر سکو گے۔ ہمارے ساتھ ہمارے تصورات کو دفن کرسکو گے۔ دنیا کے سارے شہنشاہ مل کر بھی ان کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم خیالات کے لیے جان دینے کی سعادت بخشی ہے۔

نذر خان: سپاہیو! تلواریں نکالو۔

دارا : تلوار کھینچتا ہے۔ ذلیل کتےّ ٹھہر (چاقو نکالتا ہے) ہمارے اس چاقو کی ضرب سنبھال تا کہ تاریخ میں یہ نہ لکھا جائے کہ مغل

شہزادے بزدل تھے۔ جو مقابلے کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے تھے ہم مقابلہ کریں گے۔

(نذر خاں کی تلوار سے دارا شکوہ گھائل ہو کر گرتا ہے)

آہ۔ خداوند! تیرا شکر ہے تو نے اس حقیر بندے کو شہادت کی خلعت بخشی۔ سپہر شکوہ کو اور اپنے ملک ہندوستان کو تیری پناہ میں چھوڑتا ہوں۔ خدایا ہمارے خیالوں کی مہک سارے ہندوستان میں پھیلانا۔ خدایا!!

(پردہ گرتا ہے)

ڈراما

ڈراما ادب کی سب سے قدیم صنف ہے۔ یہ یونانی زبان کے لفظ 'ڈراؤ' سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں 'کرنا' یا 'کرکے دکھانا' یہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں زندگی کے حقائق و مظاہر کو اشخاص اور مکالموں کے وسیلے سے عملاً پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کا موضوع وہی ہے جو ناول کا ہے۔ یہ دونوں زندگی کے واقعات اور مسائل کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ڈرامے کے کردار بولتے چالتے اور کام کرتے نظر آتے ہیں جب کہ ناول کے کردار خاموش اور غیر محترک ہوتے ہیں۔ ڈرامے دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱) المیہ (ٹریجڈی)

۲) طربیہ (کومڈی)

ڈرامے کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔ واجد علی شاہ کے ناچ ڈراما 'رادھا کنہیا' سے اردو ڈرامے کی ابتدا ہوئی۔ اسے اسٹیج بھی کیا گیا۔ امانت، آغاحشر کاشمیری ، امتیاز علی تاج، اپیندر ناتھ اشک، عبد الماجد دریا بادی، پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر محمد حسن ، سید عابد حسین، حبیب تنویر اور اشتیاق حسین وغیرہ اردو کے مشہور ڈراما نگار ہیں۔

محمد حسن

ڈاکٹر محمد حسن اردو زبان کے بلند پایہ نقاد، محقق اور ڈراما نگار ہیں۔ وہ زندگی اور سماج سے ادب کے گہرے تعلق کے قائل ہیں۔ وہ آرٹ کو سماج کا معمار، اخلاق کا معلم اور سیاست کا رہبر مانتے ہیں۔ان کے خیال میں ''آرٹ کا پہلا کام جمالیاتی احساس کی تسکین ہے۔'' عبارت آرائی سے انھوں نے ہمیشہ پرہیز کیا اور اپنی بات کو واضح مدلل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود ان کی نثر دلکشی کے وصف سے محروم نہیں۔

'ادبی تنقید' 'شعرنو' 'اردو شاعری کا فکری وتہذیبی پس منظر' 'جدید اردو ادب' وغیرہ ان کی مشہور تنقیدی کتابیں ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک کے کارکن تھے۔ ایک ڈراما نگار کی حیثیت سے بھی پروفیسر محمد حسن کو خاص شہرت حاصل ہے۔ محمد حسن کے ڈراموں میں ایک بابی ڈرامے بھی شامل ہیں۔

ضرب المثل (کہاوت)

ضرب المثال یا کہاوتیں سوسائٹی کے صدہا سال کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ ایک یا چند جملے جو عرصہ دراز سے کسی خاص موقع پر بار بار بولے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر کچھ اور معنی دیتے ہیں۔ ان کو 'ضرب المثل' یا 'کہاوت' کہتے ہیں۔ یہ کہاوتیں سیکڑوں سال کے تجربات، مشاہدات اور واقعات کے حقائق کی بنیاد پر مستعمل مخصوص جملے ہیں۔

آپ کاج مہا کاج	:	اپنا کام خود کرنے میں زیادہ بہتری ہے
ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی	:	لڑائی میں دونوں طرف سے کچھ نہ کچھ زیادتی رہتی ہے۔
آم کے آم گٹھلیوں کے دام	:	ایک چیز سے دہرا فائدہ اٹھانا
ایک انڈا وہ بھی گندہ	:	ایک ہی بیٹا وہ بھی نالائق

سرگرمیاں

۱) ڈراما 'داراشکوہ' کے کسی ایک پسندیدہ منظر کو کہانی کی شکل میں پیش کیجیے۔

۲) اس ڈرامے کا کونسا کردار آپ کو زیادہ پسند آیا؟ پسندیدگی کے اسباب واضح کیجیے۔

۳) اورنگ زیب اپنے بھائی دارا کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ جماتا ہے۔ اس پر آپ کے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۴) تاریخ میں بہت سے بادشاہ اور حکمران گزرے ہیں۔ کسی ایک بادشاہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۵) قید خانے میں اورنگ زیب کے حکم پر دارا کو قتل کیا جاتا ہے۔ اگر اورنگ زیب کی جگہ آپ ہوتے تو دارا سے کیا سلوک کرتے۔

۶) داراشکوہ کی مذہبی رواداری کا کوئی ایک واقعہ پیش کیجیے۔

۷) دارا اپنے بھائی اورنگ زیب کے ہاتھوں قید ہو جاتا ہے۔ اس وقت دارا کے دل میں کیا کیا خیالات ابھر آئے ہوں گے۔

۸) اس ڈرامے میں چند مکالمے جو آپ کو پسند ہیں چن کر لکھیے۔

۹) دادار کے سفر کے دوران دارا کی عزیز بیگم نادرہ کی موت ہوتی ہے۔ اس وقت اس کے دل میں ابھرتے ہوئے جذبات و خیالات کو اپنے الفاظ میں پیش کیجیے۔

۱۰) مغل بادشاہوں اور مغلیہ تاریخی عمارتوں کی تصاویر جمع کر کے ایک البم تیار کیجیے۔

۱۱) اس ڈرامے میں استعمال 'ضرب الامثال' چن کر لکھیے اور ان کا مفہوم واضح کیجیے۔

۱۹- وطن کا لال چلا گیا

درد و غمِ حیات کا درماں چلا گیا
وہ خضرِ عصر و عیسیٰ دوراں چلا گیا
ہندو چلا گیا نہ مسلمان چلا گیا
انساں کی جستجو میں اک انساں چلا گیا

رقصاں چلا گیا نہ غزل خواں چلا گیا
سوز وگداز و درد میں غلطاں چلا گیا
بیمارِ زندگی کی کرے کون دل دہی
نبّاض و چارہ سازِ مریضاں چلا گیا

وہ راز دار محفلِ یاراں نہیں رہا
وہ غم گزارِ بزم حریفاں چلا گیا
اب سنگ وخشت وخاک وخذف سربلند ہیں
تاجِ وطن کا لعلِ درخشاں چلا گیا

اب اہرمن کے ہاتھ میں ہے تیغ خونچکاں
خوش ہے کہ دست و بازوئے یزداں چلا گیا
دیو بدی سے معرکہء سخت ہی سہی
یہ تو نہیں کہ زورِ جواناں چلا گیا

اسرار الحق مجاز

مرثیہ

مرثیہ لفظ 'رثا' سے بنا ہے۔ جس کے معنیٰ رونے اور ماتم کرنے کے ہیں۔ مرثیہ سے وہ نظم مراد لی جاتی ہے جس میں کسی مرنے والے کے اوصاف بیان کر کے اس کی موت پر رنج وغم کا اظہار کیا جائے۔ اردو میں مرثیے کا ایک خاص مفہوم متعین ہوگیا ہے، یعنی مرثیہ عموماً اس نظم کو کہا جاتا ہے جس میں حضرت امام حسینؓ اور دیگر شہدائے کربلا کی شہادت کا ذکر کیا جائے۔ باقی تمام لوگوں کی موت پر کہی جانے والی نظموں کو شخصی مرثیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً حالؔی کا 'مرثیہ غالبؔ' اقبالؔ کا 'مرثیہ داغؔ' وغیرہ۔

ابتدا میں مرثیے مختصر لکھے جاتے تھے اور ان کے لیے کوئی خاص شکل مقرر نہیں تھی۔ چنانچہ شروع میں مرثیے غزل کی ہیئت میں بھی لکھے گئے اور تین مصرعوں، چار مصرعوں، پانچ مصرعوں اور چھ مصرعوں کے بندوں کی شکل میں بھی نظم کیے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ سوداؔ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے مرثیے کے لیے مسدّس کی ہیئت استعمال کی۔ میر خلیقؔ اور میر ضمیرؔ کے زمانے میں مسدّس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور پھر مرثیے کے لیے یہی ہیئت مخصوص ہوگئی۔

چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین مرثیے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انیسؔ، خلیقؔ، دبیرؔ اور ضمیرؔ اس فن کے ماہر مانے جاتے ہیں۔ شخصی مرثیہ نگاروں میں حالؔی، اقبالؔ، صفؔی لکھنوی اور مجازؔ وغیرہ کے نام

قابلِ ذکر ہیں۔ اس طرح کے مرثیوں میں غالبؔ کا 'مرثیہء زین العابدین' حالیؔ کا 'مرثیہء غالب' اقبالؔ کا 'مرثیہء داغ' اور چکبست کا 'مرثیہء گوکھلے' خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

یہ مرثیہ اسرار الحق مجازؔ نے گاندھی جی کی موت پر لکھا ہے۔

اسرار الحق مجازؔ

(۱۹۰۹ء تا ۱۹۵۵ء)

اسرار الحق مجازؔ کا اصلی نام اسرار الحق تھا اور تخلص مجازؔ۔ طالبِ علمی کے زمانے سے ہی شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ مجازؔ ترقی پسند شاعر ہیں۔ مجازؔ میں جذبات نگاری کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ نوجوانوں، غریبوں، اور بے روزگار انسانوں کے جذبات کو نہایت سچائی اور لطف کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ ان کے کلام میں رنگینی اور لطافتِ زبان پائی جاتی ہے۔ 'آہنگ' اور 'سازِ نو' کے نام سے مجازؔ کے مجموعہ کلام شائع ہو چکے ہیں۔

لاحقے

اس مرثیہ میں 'غزل خواں' 'راز دار' 'یز داں' وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ ان الفاظ میں ہر لفظ کے بعد کچھ ایسے الفاظ جڑے ہیں۔ مثلاً : خواں، دار اور داں جنھیں لاحقے کہتے ہیں۔

ذیل کے الفاظ پر غور کیجیے۔

مند : عقل مند، دولت مند، صحت مند

افروز : دل افروز، رونق افروز

باز : دھوکہ باز، دغا باز، نشانہ باز

بان : باغبان، پاس بان، میز بان

خانہ : مسافر خانہ، مے خانہ، ڈاک خانہ

ترین : بہترین، بدترین، حسین ترین

انگیز : درد انگیز، حیرت انگیز، عبرت انگیز

انداز : نظر انداز، تیر انداز

پن : لڑکپن، بچپن، ادھیڑ پن

دان : قلم دان، پان دان، اگالدان

پرست : بت پرست، آتش پرست، خداپرست

سرگرمیاں

۱) ہندو چلا گیا نہ مسلماں چلا گیا
انسان کی جستجو میں اک انساں چلا گیا
اس شعر کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۲) گاندھی جی ایک عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے بارے میں دنیا کی عظیم ہستیوں نے جو تاثرات کا اظہار کیا ہے ان کو جمع کیجیے۔

۳) تحریک آزادی میں گاندھی جی کے رول پر ایک مضمون تیار کیجیے۔

۴) مرثیہ نگاروں میں میر ببر علی انیسؔ بہت مشہور ہیں۔ایسے چند مشہور مرثیہ نگاروں پر نوٹ لکھیے۔

۵) 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' علامہ اقبالؔ کا مشہور مرثیہ ہے۔ کیرالا کے اردو شاعر سید محمد سرورؔ صاحب نے بھی اپنی ماں کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا ہے۔
ان دونوں مرثیوں پر ایک نوٹ لکھیے۔

۶) گاندھی جی کے کن کن اوصاف کو اس مرثیہ میں مجازؔ نے بیان کیا ہے؟

۷) مرثیہ گو شاعروں کی تصویریں جمع کرکے ان کو چند اشعار کے ساتھ اپنے البم میں چسپاں کیجیے۔

۸) درسی کتاب کے دوسرے اسباق سے لاحقے چن کر لکھیے۔

۲۰۔ غزل

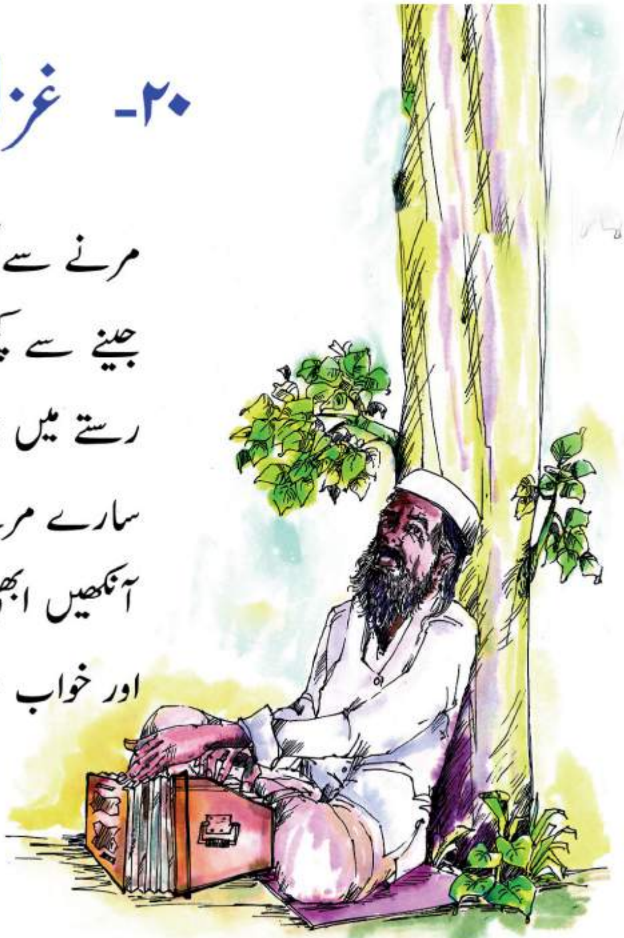

مرنے سے بھی پہلے مر گئے تھے
جینے سے کچھ ایسے ڈر گئے تھے

رستے میں جہاں تلک دیے تھے
سارے مرے ہم سفر گئے تھے

آنکھیں ابھی کھل نہیں سکی تھیں
اور خواب مرے بکھر گئے تھے

گرداب سے بچنے والوں کی سمت
ساحل سے کئی بھنور گئے تھے

اب تک وہی نشۂ پذیرائی
کل خواب میں اس کے گھر گئے تھے

ملتا نہ تھا واپسی کا رستہ
کیا جانیے ہم کدھر گئے تھے

پروین شاکر

پروین شاکر

(۱۹۵۲ء تا ۱۹۹۴ء)

پروین شاکر اردو کی مشہور شاعرہ ہیں۔ ان کی ولادت کراچی میں ہوئی۔ انھوں نے انگریزی، لسانیات اور بانک ایڈمنسٹریشن (Bank Administration) میں ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ نو سال تک تدریس کے فرائض انجام دیے۔ شاعری میں ان کو احمد ندیم قاسمی کی سر پرستی حاصل رہی۔

ان کے کلام کا پہلا مجموعہ 'خوشبو' ۱۹۷٦ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے بعد 'صدبرگ' 'خود کلامی' 'افکار' وغیرہ شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ۱۹۹٦ء میں 'ماہِ تمام' کے نام سے ان کا کلیات شائع ہوا۔ انھیں پاکستان کے اعلی ترین اعزاز 'نشانِ امتیاز' سے نوازا گیا۔ پروین شاکر کی شاعری میں عورتوں کے احساسات اور جذبات کی ترجمانی ملتی ہے۔

سرگرمیاں

۱) اس غزل کا پسندیدہ شعر چن کر اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے ۔

۲) چند پسندیدہ فلمی غزلوں کے اشعار چن کر لکھیے ۔

۳) اردو ادب میں کئی شاعرات ہیں۔ چند شاعرات کے نام لکھیے اور ان کے اشعار جمع کرکے پیش کیجیے۔

۴) پروین شاکر نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کس طرح کی ہے؟

۵) ملتا نہ تھا واپسی کا رستہ
کیا جانیے ہم کدھر گئے تھے
اس شعر کا مفہوم واضح کیجیے۔

۲۱- جیون ایک مداری پیارے ....

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پٹاری
کبھی تو دکھ کا ناگ نکالے پل میں اسے چھپالے
کبھی ہنسائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو رجھائے
اس کی ریت انوکھی، نیاری، جیون ایک مداری

کبھی نراشا کبھی ہے آشا پل پل نیا تماشا
کبھی کہے ہر کام بنے گا جگ میں تیرا نام بنے گا
بنے دیالو ہتھیاچاری، جیون ایک مداری

جب چاہے دے جائے دھوکا اس کو کس نے روکا
تو بھی بیٹھ کے دیکھ تماشا، کبھی نراشا کبھی ہے آشا
پت جھڑ میں بھی کھلی پھلواری، جیون ایک مداری

آئے ہنسی مٹ جائے آنسو اس میں ایسا جادو
بندر ناچے قلندر ناچے سب کے من کا مندر ناچے
جھوم کے ناچے ہر سنساری ، جیون ایک مداری

میراجی

گیت

گیت شاعری کی ایک صنف ہے۔ گیت کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ عام طور پر گیت میں مقامی زندگی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ گیتوں کا تعلق موسموں، فصلوں اور مختلف رسموں سے ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بھی گیت گائے جاتے ہیں۔ گیت نہ صرف لکھے اور پڑھے جاتے ہیں بلکہ زبانی وسیلے سے ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے ہیں۔ گیتوں میں رومانیت کی جھلک ہوتی ہے ۔ اردو میں گیتوں کی روایت دکن سے شروع ہوئی ہے۔سلطان قلی قطب شاہ نے کئی گیت لکھے ہیں۔

موجودہ دور کے گیت کاروں میں عظمت اللہ خان، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، میراجی، ندافاضلی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

میراجی

(۱۹۱۲ء تا ۱۹۴۹ء)

میراجی کا اصلی نام محمد ثناء اللہ ڈار تھا۔ وہ ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا زیادہ وقت لاہور، دلّی اور ممبئی میں گزرا۔ ممبئی میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ وہ انتہائی ذہین تھے۔ مطالعہ کا انھیں بہت شوق تھا۔ اس لیے انھوں نے مختلف زبانوں کی شاعری کا مطالعہ کیا، تراجم کیے اور مضامین لکھے۔ وہ لاہور کی ایک مشہور ادبی انجمن 'حلقہء اربابِ ذوق' کے بانیوں میں تھے۔ انھوں نے اختر الایمان کے ساتھ مل کر رسالہ 'خیال' نکالا۔

میراجی کے گیت بہت پُر اثر اور دلکش ہیں۔انھوں نے ہندو دیو مالا سے بہت فائدہ اٹھایاہے۔ کرشن کنھیا سے عقیدت اور برنداون کی گوپیوں کی کشش نے انھیں بشنو کا پجاری بنادیا۔ میراجی کی نظموں کے کئی مجموعے مثلاً میراجی کی نظمیں، گیتوں کا مجموعہ، گیت ہی گیت وغیرہ ان کی زندگی ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔

سرگرمیاں

۱) میراجی کا یہ گیت کورس میں سنائیے۔

۲) یہ الفاظ دیکھیے آشا، نراشا، تماشا ......اسی طرح کے لفظوں کی مدد سے چند اشعار لکھیے۔

۳) اس گیت کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۴) گیت اور نظم میں کیا نمایاں فرق ہے؟ واضح کیجیے۔

۵) ہندوستان کے موسموں اور تہواروں پر لکھے گئے چند گیت جمع کیجیے اور کلاس روم میں پیش کیجیے۔

فرہنگ

ابتر	:	بدحال
ابد	:	وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو، ہمیشگی
اثبات	:	ثابت کرنا
اجڑنا	:	مٹ جانا
اجل	:	موت
احسان فراموش	:	احسان بھلا دینے والا
اذان	:	بانگ
ارمان	:	آرزو
ازل	:	وہ زمانہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ ابتدا سے
اژدہام	:	جھنڈ، مجمع
استبداد	:	ظلم وجور سے حکومت کرنا
اشک	:	آنسو
اطاعت	:	بندگی، فرمان برداری
اطلاع	:	خبر
اعتبار کرنا	:	بھروسہ کرنا
اعتدالِ طبع	:	درمیانی فطرت
اعتدال	:	درمیانی

اغوا کرنا	:	بہکا کر بھگا لے جانا
افراط	:	زیادتی، کثرت
افسردہ	:	غم گین، اداس
افواہیں	:	افواہ کی جمع، بازاری خبر
اقتدار	:	زور، حکومت
اقدام	:	قدم کی جمع
اقرار کرنا	:	تسلیم کرنا
اقلیم	:	ولایت، ملک
اکتا جانا	:	تنگ آنا، بیزار ہو جانا
اگلنا	:	منہ سے باہر نکالنا
الامان	:	خدا کی پناہ
البیلی ملکہ	:	آزاد مزاج ملکہ
الزام	:	تہمت
اللہ ماری	:	جن پر اللہ کی مار ہو
امتیاز	:	فرق، تمیز، شناخت
امور	:	امر کی جمع، باتیں
اناج	:	دانہ، غلّہ
انجمن	:	محفل، مجلس، کمیٹی

انگارا : آگ کا دہکتا ہوا ٹکڑا

انواع : قسمیں، نوع کی جمع

اوجھل ہونا : پوشیدہ ہونا

اوسط : بیچ کا، درمیانی

اوصاف : وصف کی جمع، گُن

اوکھ : گنّا

اہرمن : آتش پرستوں کا برائی کا خدا

اہلِ وفا : وفا کرنے والے لوگ

ایوان : محل، مکان

ایال : گھوڑے کی گردن کے بال

آبرو : عزّت

آبشار : اونچائی سے گرنے والا
قدرتی پانی

آتش پرست : آگ کو پوجنے والا

آتش فشاں : آگ برسنے والا

آثار : اثر کی جمع، نشانات

آرتی اتارنا : پوجا کی ایک قسم جس میں
دیوتاؤں کے سامنے دیا
گھمایا جاتا ہے

آرزومندی : دل میں نئی نئی تمنّاؤں کا
پیدا ہونا، امیدیں باندھنا

آزمائش : امتحان، تجربہ

آگہی : جاننا، معلوم ہونا

آمدورفت : آنا جانا

آن : حُرمت، عزّت

بادل گھرنا : بادل چھا جانا

باریابی : بارگاہ میں حاضری،
دربار میں داخلہ

باز آنا : توبہ کرنا،
کسی بات کو چھوڑ دینا

بازو : کہنی سے شانے تک کا حصّہ

باگ : لگام

بالٹی : ڈول

بالشت : بارہ انگلی کا پیمانہ

بپھری ہوئی : مچلی ہوئی، جوش میں
آئی ہوئی

بتدریج : درجہ بہ درجہ

بجا آوری : تعمیل حکم، انجام دہی

بخش دینا : معاف کر دینا

بدزبان : گستاخ، بے ادب

بدستور : دستور کے مطابق، قاعدے کے مطابق

بدھیا : بیل، فوطے نکلا ہوا بیل

برتاؤ : سلوک

برتر : بہتر، افضل

برسنا : غصّہ اتارنا، کسی شے کا کثرت سے ہونا

بزدل : بے ہمت، کم حوصلہ

بزم : محفل، مجلس

بسیط : پھیلا ہوا، کشادہ

بشارت : خوش خبری

بشرطیکہ : اس شرط پر

بطن : پیٹ

بغاوت : Protest

بکھر جانا : پھیل جانا، منتشر ہونا

بلبلانا : تڑپنا

بنجارا : بیوپاری

بندہ نواز : غلام کو عزّت دینے والا

بوٹا : پودا، پھول پتی

بور : پھل لگنے سے پہلے آنے والے پھول

بولن : بولنا

بہرکیف : اس حالت میں

بہک سا جانا : بہکانے میں آنا

بھاری : وزنی، بوجھل

بھڑکنا : جل اٹھنا، غصّے ہونا

بھلے لگنا : اچھا لگنا

بھنور : گرداب، پانی کا چکر

بیدار : جاگتا ہوا، ہوشیار

بیڑی : لوہے کی زنجیر جو پاؤں میں باندھی جاتی ہے

بیگانہ : غیر، پرایا، اجنبی

بے پردہ : بغیر برقع

بے پروائی : بے فکری

بے تاک : بے چین، بے قرار

بے تکاپن : بے جوڑ، ناموزونیت

بے چارہ : بے بس، عاجز

بے حد : بے شمار، بہت

بے خانماں : بے گھر، بے وطن

بے ریا : نمود و نمائش سے پاک

بے شمار : ان گنت، بے حساب

بے قراری : بے چینی، پریشانی

بے نظیر : بے بدل، بے مثال

بے نقاب کرنا: بے پردہ کرنا

بے نیاز : بے پروا، بے غرض

بے ہوش : بے عقل، ناواقفیت

بیدردی : بے رحمی، ظلم، سنگ دلی

بین : منہ سے بجانے کا ایک ساز

پاداش : بدلہ، سزا

پار : جھیل یا دریا کا دوسرا کنارہ

پاکیزگی : صفائی

پت جھڑ : خزاں، پتوں کے جھڑنے کا موسم

پتلا : دبلا، باریک

پٹاری : بید یا بانس کی بنی ہوئی بکس

پختہ : مضبوط، تجربہ کار

پذیرائی : استقبال، قبولیت، عزّت

پرہیز : احتیاط ناجائز اور حرام چیزوں سے دوری

پرچی : چھوٹا سا پرچہ یا کاغذ

پرداخت : پرورش، دیکھ بھال

پرنانا : ماں کے دادا، نانا کے باپ

پروردگار : پالنے والا، خدائے تعالیٰ

پسر : بیٹا، فرزند

پشتی : مضبوطی، حفاظت

پکھاوج : ایک قسم کی ڈھولک

پل : دم، لمحہ

پنواری : پان بیچنے والا

پوچ گوئی : بے معنی باتیں

پودنا : بونا، بے حقیقت، چھوٹی قد کا آدمی یعنی ایک بالشت کی لمبائی والا

پہاڑی : چھوٹا پہاڑ

پہیلی	:	معمّہ
پھاگن	:	ہندی سال کا آخری مہینہ، ہولی کا مہینہ
پھانسی	:	سولی
پھانکنا	:	ایک دم منہ میں ڈال دینا
پھلواری	:	پھولوں کا باغ
پھیلانا	:	بکھیرنا
تاب نہ لانا	:	برداشت نہ کرنا
تار	:	ٹیلی گرام
تاہم	:	پھر بھی، اس پر بھی
تباہی	:	بربادی، خرابی
تباہ	:	برباد
تجویز	:	رائے، مشورہ
تحت الثرا	:	زمین کا سب سے نچلا حصّہ
تحکم	:	حکم دینا
ترانہ	:	راگ، نغمہ
ترس کھانا	:	رحم کھانا
تشبیہ	:	مشابہت دینا
تصویر لینا	:	صاف پانی میں عکس اتارنا

تغیر	:	تبدیلی
تقدیر	:	قسمت
تقلید	:	نقل، تتبع
تکنا	:	دیکھنا
تلک	:	تک
تلے	:	نیچے
تناسب	:	باہمی تعلق، موافقت
تنخواہ	:	Salary
تند	:	تیز
تودہ	:	چٹان یا مٹی کا بھاری ٹکڑا
توکل	:	بھروسہ
تہذیب	:	Culture
تھامنا	:	ہاتھ سے پکڑنا
تھانہ	:	Police Station
تیر کاری لگنا	:	تیر بھاری لگنا
تیرگی	:	تاریکی، رنجش
تیشہ	:	لکڑی چھیلنے کا ایک آلہ
تیغ	:	تلوار
ٹال دینا	:	سنی ان سنی کر دینا

ٹانکنا : باندھنا، جوڑنا
ٹکر : تصادم
ٹھکانا : مقام، مکان
ثروت : دولت مندی
جاں بخش : قتل یا پھانسی کے مستحق کو آزاد کر دینا، معافی
جادو : منتر، اثر
جاسوس : بھیدی
جاگیردار : جس کے پاس جاگیر یا ملکیت ہو
جاگیر : وہ زمین جو بادشاہ یا حکومت کی طرف سے انعام کے طور پر دی جائے
جام جہاں نما: ایسا پیالہ جس میں سے دنیا نظر آئے
جاں نثار : جان قربان کرنے والا وفادار
جانشیں : قائم مقام، ولی عہد
جبر واستبداد : ظلم وزیادتی
جدّت : نیاپن
جرم : گناہ، قصور
جڑاؤ : جواہرات سے جڑا ہوا
جشن : جلسہ
جگ : دنیا، عالم
جلد بازی : جلدی کرنا، تیزی
جلوت : بزم، انجمن
جلی کٹی سننا : غصہ کی باتیں سننا
جلاّد : پھانسی دینے والا
جوں : مانند، جیسے
جہل : بے علمی، جہالت
جھانکنا : چھپ کر دیکھنا، دروازے یا کھڑکی سے منہ باہر نکال کر دیکھنا
جھوم : ہلنا، لہرانا
جھونکا : ہوا کا تیز چلنا
چابک : تیز، چالاک، تازیانہ
چارہ ساز : مشکل آسان کرنے والا

چٹخارا	:	وہ آواز جو زبان اور تالو سے کسی خوش ذائقہ چیز کے مزہ لینے سے نکلتی ہے
چٹک کر	:	کھل کر
چشمہ	:	پانی کا سوتا، عینک
چمک کر کہنا	:	جوش میں کہنا
چنگل	:	گرفت، آدمی یا جانوروں کا پنجہ، مٹھی، ہاتھ
چوبدار	:	وہ نوکر جو لاٹھی لیکر امیروں کے آگے آگے چلتا ہے
چہچہوں	:	پرندوں کے بولنے کی آواز
چھتا	:	دور تک پٹا ہوا راستہ
چھریرا	:	دبلا پتلا، لمبا
چھلک	:	flowing
چھینٹا	:	ہلکی بارش، پانی کا چلّو کسی پر ڈالنا
چھینٹے دینا	:	فریب دینا، دھوکا دینا
حراست	:	گرفتاری

حرص	:	ہوس
حریفانہ	:	دشمنی
حسرت	:	افسوس
حشر	:	قیامت
حصار	:	قلعہ، باڑھ
حق	:	لائق، درست
حکمران	:	بادشاہ، حکم چلانے والے
حمیت	:	شرم، غیرت
خاتون	:	عورت، بیگم
خاک اڑانا	:	آوارہ پھرنا، بدنام کرنا
خانماں	:	گھر کا اسباب، مال ومتاع
خانہ جنگی	:	گھر کے جھگڑے، ملک کے اندر مختلف فرقوں کی لڑائی
خذف	:	ٹھکیری، مٹی کے برتن کا ٹکڑا
خراب	:	اجڑا ہوا، ویران
خست	:	اینٹ

خضر	:	رہنما، رہبر، ایک پیغمبر کا نام
خطاب	:	وہ نام جو بادشاہ یا سرکار کی طرف سے اعزازی طور پر دیا جاتا ہے۔
خطرناک	:	ڈراؤنا
خفا ہونا	:	ناراض ہونا
خفیف	:	شرمندہ، ہلکا
خلد	:	جنت، فردوس
خلعت	:	وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطور عزّت افزائی ملے
خلیج	:	پانی کا حصّہ جو تین طرف خشکی سے اور ایک طرف سمندر سے ملا ہو
خم	:	بل، تاب، موڑ، جھکاؤ
خواہ مخواہ	:	مجبوراً، ناچار
خودسری	:	نافرمانی، ضد، ہٹ
خوش آمدید	:	استقبالیہ الفاظ
خوش گوار	:	پسندیدہ
خوف	:	ڈر
خون آلود	:	لہو میں بھرا ہوا
خون خرابہ کرنا	:	خون ریزی کرنا
خونچکاں	:	جس سے خوں ٹپکتا ہو، خون ٹپکتا ہوا
خیرات	:	بھلائیاں، برکتیں، نیکیاں
خیمہ	:	تنبو، ڈیرا
خَرمُہرہ	:	سنکھ، کوڑی
دار	:	خانہ، گھر
دامن	:	وادی
دام	:	جال، دھوکہ
دانتوں میں دابنا	:	حیرت، افسوس
درا	:	قافلے کی گھنٹی
درخشاں	:	چمک
درخور	:	لائق، قابل
دردمند	:	غمگین، دکھوں کا مارا
درست	:	ٹھیک
درگزر کرنا	:	چشم پوشی کرنا، معاف رکھنا
درماں	:	علاج

دست : ہاتھ

دل بجھ جانا : کوئی خواہش نہ رہنا

دل فریب : دل کو بھانے والا

دل کش : خوبصورت، خوش نما

دل گیر : غم گین

دمکنا : چمکنا

دمِ مرگ : موت کا وقت

دن گزارنا : زندگی بسر کرنا

دوہے : شاعری کی ایک قسم جس میں دو دو مصرعے ہوتے ہیں

دوران : زمانہ، وقت

دونا : پتوں کا پیال، پتّل

دھاپ : میل بھر کا فاصلہ بارہ انچ کا فاصلہ

دھلنا : دھویا جانا، صاف کیا جانا

دھوم : شوروغل

دیوانِ عام : عام دربار

دیوپیکر : دیو کا جسم رکھنے والا

ڈبونا : پانی میں غرق کرنا

ڈس لینا : کسی زہریلے جانور کا کاٹنا، سانپ کا کاٹنا

ڈھونڈنا : تلاش کرنا

ڈھیر : انبار، انبوہ، ہجوم

ڈیرا : خیمہ، تنبو

ڈیوڑی : صدر دروازے کے سامنے کا کمرہ

ذلیل : بدنام، رسوا

راہِ شوق : محبت کا راستہ

رباب : ایک قسم کی سارنگی

ربیع : اکتوبر اور نومبر میں بوئی جانے والی فصل

رپٹ : ندی میں بنا ہوا راستہ

رجحانات : میلانات

رجھانا : لبھانا، سرود کرنا

رسائل : رسالے کی جمع

رسائی : پہنچ

رسن : رسّی

رشتہ ہائے آہن : آہنی رشتے، مضبوط تعلق

رفت گاں : مرے ہوئے لوگ

رقاصہ : ناچنے والی عورت

رقت : نرمی، دردمندی

رقصاں : رقص کرتا ہوا، حالاتِ رقص

رقیب : ایک معشوق کے عاشقوں میں سے کوئی ایک

رواداری : کسی بات کو جائز رکھنا

رواں : جاری، بہتا ہوا

روائی : جائز ہونا

روڑے : مٹی یا اینٹ کے ٹکڑے

روزن : سوراخ

روشناش : جان پہچان والا

روغنوں کی مالش: تیل کا ملنا

روندا جانا : کچلا جانا

رویت : دیدار، نظارہ

ریش : ڈاڑھی

رُخ کرنا : لوٹنا، توجہ کرنا

زبان بندی : زبان بند کر دیا جانا

زرہ پوش : وہ شخص جو زرہ بکتر پہنے ہو

زرہ : فولاد کا جالی دار کرتا جو لڑائی میں پہنتے ہیں

زر : روپیہ پیسہ

زیب : خوبصورتی، زیب و زینت

زیرِلب دہرانا: آہستہ آہستہ کہنا

زین : مضبوط اور موٹا کپڑا جو گھوڑے کی پیٹھ پر ڈالا جاتا ہے

زیور : زیب دینے والا
Ornament

سادھوسنت : درویش، جوگی

سازش : کسی کی مخالفت کے لیے باہمی اتفاق

ساغر : شراب کا پیالہ

سالار : سردار، افسر

سانڈنی : سانڈ کی تانیث

سایہ : چھاؤں، پرچھائیں

سبق آموز : سیکھنے والا یا سکھانے والا

ستائش : تعریف

ستم گر : تکلیف دینے والا
سحرِ نما : دن پڑھنے کا پتا دینے والا
سرپرستی : حمایت
سرقلم کرنا : سرکاٹنا، گردن مارنا
سراسر : بالکل، تمام
سرحد : کنارہ، انتہا
سرخ : لال
سرفروشی : جاں بازی، دلیری
سرمد : ہمیشہ رہنے والا، مست
سرود : گیت، نغمہ
سروکار : تعلق، واسطہ
سسکی : کسی تکلیف کی وجہ سے آواز نکالنا، آہِ سرد
سعادت : خوش نصیبی
سکوت : خاموشی
سمت : Side
سمیٹنا : جمع کرنا، مکمل کرنا
سنجیدہ : بردبار
سند : Certificate

سنساری : دنیاوالے، لوگ
سنگ وخشت : پتھراوراینٹ
سنہری : سونے کے رنگ کا
سوجھنا : دکھائی دینا، خیال میں آنا
سوزوگداز : جلن، درد
سونپنا : سپردکرنا، حوالے کرنا
سیم : چاندی، دولت
سیہ : کالا، ایک جانور جس کے جسم پر سیاہ وسفید کانٹے ہوں
شاندار : بلند
شاہ شکوہ : عزّت وعظمت
ششدر : حیران، پریشان
شعلہ : آگ کی لپٹ
شفقت اورعنایت : مہربانی ومحبت
شکرساز : سامان، اسباب
شکست : ہار
شناسا : پہچاننے والا
شوروفغاں : نالہ وفریاد

شورش : ہنگامہ، فتنہ، فساد
شُتر : اونٹ
صدمہ : دکھ
صفایا کرنا : صاف کر دینا
صوبیدار : صوبے کا حاکم
صورِ اسرافیل: وہ آواز جو حضرت اسرافیلؑ حشر کے روز پھونکیں گے
ضرب : مار، چوٹ
ضعف : کمزوری
ضمیر : دل، دماغ
طنطنہ : شان وشوکت
طوطی بولنا : کسی ہنر یا خوبی کی وجہ سے مشہور ہونا
طوق : گلوبند، ہار، حلقہ
طول کھینچنا : دیر لگنا، مدت لگنا
ظرافت : مذاق، دل لگی
ظلِ سبحانی : بادشاہ (شاہ جہاں)
عالم وعامی : بہت پڑھا لکھا اور جاہل
عبث : بے کار
عبرت انگیز : ایسی بات جسے دیکھ کر آدمی کو خوف آئے اور اس سے نصیحت پکڑے
عبور کرنا : طے کرنا
عبور : قدرت، مہارت
عتاب : ملامت، ڈانٹ، بھر بھلا
عذاب : تکلیف، مصیبت
عروج : بلندی
عزلت : تنہائی، گوشہ نشینی
عزّت افزائی: عزّت بڑھانا
عصر : زمانہ
عقدہ : مسئلہ، الجھن
علالت : بیماری، دکھ
عمامہ : پگڑی
عمّاری : ہاتھی کا ہودا، ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھنے کا گدّا
عین : ٹھیک، حقیقت
غداری کرنا : بے وفائی کرنا، ملک دشمنی کرنا
غرور : گھمنڈ، فخر

غضب : غصّہ

غفار : بڑا بخشنے والا، خدا کی صفاتی نام

غلبہ ہونا : فوقیت حاصل ہونا

غلغلہ : ہنگامہ، دھوم

غم زدہ : غم سہنے والا

غوطہ : پانی میں ڈوبنا، ڈبونا

غیر فانی : فنا نہ ہونے والا

غیرت : شرم، حمیت

فال : عیب کی بات، پیشن گوئی

فرار : بھاگنا

فرازِ دار : سولی کے سامنے

فوج : سپاہیوں کا گروہ

قافلہ : مسافروں یا تاجروں کا گروہ، کارواں

قبا : کوٹ

قد کش : لمبے قد کا، جسم کی لمبائی

قد : قامت

قزّاق اجل : موت کا فرشتہ

قلم رو : سلطنت

قلندر : بندر یا ریچھ نچانے والا، بے پروا

کاری : بھاری، مہک، کام تمام کرنے والا

کامرانی : خوش نصیبی

کانپنا : لرزنا، تھرتھرانا

کباب : جلا ہوا، سوختہ

کٹاری : چھوٹا خنجر

کٹیا : Cottage

کٹّر : سخت دل، سنگ دل

کچہری کرنا : دفتری کاروائی کرنا

کرایہ : Rent

کرخت : سخت

کرشمہ : انوکھی بات، کرامت

کروٹیں بدلنا : بستر پر بے قرار اور بے چین رہنا

کڑک کر کہنا : زوردار آواز میں کہنا

کشاں کشاں : زبردستی، بالجبر

کشش : کھنچاؤ

کلیجہ : جگر

کنکر : Small peases of Stone

کوچہ : گلی

کوزہ : کوجہ، پانی رکھنے کا برتن

کوسنا : بددعا دینا

کوں : کو

کہسار : پہاڑی علاقہ

کہکشاں : بہت سے چھوٹے چھوٹے ستاروں کی قطار

کھانسنا : کھانسی کی آواز نکالنا، کھنکارنا

کُجا : کہاں

کُمک : مدد، حمایت، وہ فوج جو لڑائی میں بھیجی جائے

گردآلود : غبارآلود

گردباد : پھرنے والی ہوا، ہوا جس میں غبار ملا ہوا ہو

گرداب : بھنور

گرویدہ ہونا عاشق ہونا

گڑجانا : نہایت شرمندہ ہونا، زمین میں دب جانا

گز : بندوق، ایک تیر

گلیشر : برف کا چشمہ Glacier

گوش دل : بڑی توجہ سے سننا

گون : جانور پر سامان لادنے کا تھیلا

گوئی پلّا : بھرا ہوا تھیلا

گوہر : موتی، قیمتی پتھر

گہر : گوہر

گھانچی : ٹوکری، مرغیوں کو بند کرنے کی ٹوکری

گھٹلی : پھل کا بیج

گھسیٹنا : کھینچنا، زمین پر لگڑتے ہوئے لے جانا

گھمانا : سیر کرانا

گھولن : جلن، ابال

گیسوئے دل دار : محبوب کی زلفیں

لادنا : بہت سا بوجھ رکھ دینا

لامحدود : جس کی کوئی حد نہ ہو

لبادہ : لباس، کپڑا

لبِ بام : کوٹھے یا چھت کا کنارا

لحد : قبر، مزار

لعل : گوہر

لگ بھگ : قریب، پاس، تقریباً

للچانا : لبھانا، لالچ کرنا

للکارنا : پکارنا، دھمکی دینا

لوری : بچّوں کو سلانے کا گیت

لونڈی : کنیز، باندی

ماتم : دکھ، غم

مادہ : اصل

مانوس ہونا : آشنا ہونا

مان : آن بان

ماں جایا : برادرِ حقیقی، سگا بھائی

ماہ رو : چاند جیسا چہرے والا

مبالغہ : کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا

مبہوت : حیران

متاع : سامان

متضاد : خلاف

مجتہد العصر : اپنے وقت کی دینی مسائل کا حل نکالنے والا

مجذوب کی بڑ: بے معنی باتیں، مجنونانہ بکواس

محسوس : Felt

مداری : ہاتھ کی چالاکی سے کھیل تماشے کرنے والا (بازی گر)

مرتد : اسلام سے پھرا ہوا

مرحمت فرمانا: کرم کرنا، مہربانی فرمانا

مردود : رد کیا گیا

مرگ : موت، اجل

مرمت : ٹوٹی ہوئی چیز کی درستی

مرمٹنا : قتل ہونا، عاشق ہونا

مروّت : اخلاق، انسانیت

مریضاں : مریض کی جمع، بیمار

مزرعہ : کھیت

مسافت : دوری، فاصلہ

مسرّت : خوشی

مسلّط ہونا : طاری ہونا

مصلحت : اچھا مشورہ، مناسب تجویز

مطرود : نکالا ہوا

مطلع صاف ہونا : آسمان صاف ہونا

معدوم محض : بالکل ناپید،
بالکل چھپا ہوا

معراجِ کمال : بلند مرتبہ

معرکہ : جنگ، لڑائی

معمار : عمارت بنانے والا، راج

مغموم : غم سے بھرا ہوا

مقدر : قسمت

ملحد : کافر، بے دین

ملحوظ رکھنا : خیال رکھنا

منحصر : گھر لینے والا، موقوف

منصوبہ : Plan

منطق : گویائی کا فن

مواد : عقل، قابلیت، مادہ کی جمع،
مصالحہ

موضع : چھوٹا گاؤں

موقوف : منحصر

مؤذن : اذان دینے والا

مہاجر : وطن چھوڑنے والا

مِہر : محبت، دوستی

مُہر : چھاپ

ناخن : انگلیوں کے سروں کی ہڈی

نارسائی : نہ پہنچ پانا

نازل ہونا : گرنا

ناساز : ناموافق، مخالف، بیمار

ناعاقبت اندیش : انجام نہ سوچنے والا،
انجام کی فکر نہ کرنے والا

ناقہء : female Camel

ناکامی : ناامیدی، مایوسی

نالاں : شاکی

نالہ : فریاد

نباض : نبض شناس، طبیب

نباہ : گزارہ

نچھاور کرنا : وہ نقدی یا جنس جو کسی کے اوپر سے بطور صدقہ بکھیری جائے

ندیم : دوست، ساتھی

نذر : صدقہ، تحفہ

نرغہ : آدمیوں کا گھیرا، ہجوم

نصرت : مدد، فتح

نطق : گویائی، بولنے کی قوت

نظریں بچھانا: عجز وانکساری کا انداز اختیار کرنا

نظم ونسق : انتظام، بندوبست

نقاب : چہرے پر ڈالنے کا کپڑا

نقارا : طبل

نقش پا : قدموں کے نشان

نکھارنا : سنوارنا، میل صاف کرنا

نمک حرام : وہ ملازم جو اپنے آقا کی نافرمانی کرے

نووارد : اجنبی مسافر

نوج : خدا نہ کرے

نہتا : جس کے پاس ہتھیار نہ ہو، اکیلا، خالی ہاتھ

نیم برہنگی : ادھ ننگا پن (غریب کسانوں کے ننگے بدن کی طرف اشارہ)

وارث : مردے کے مال کا جائز حق دار

وحدہ لاشریک: خدائے تعالیٰ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

وضیع : کمینہ

ولدیت : باپ کا نام، خاندان

وھوم سے گرنا: فوراً کرنا

ہاتھی ڈباؤ : پانی، ہاتھی کو ڈبانے کے لائق

ہانکنا : چلانا، دوڑانا، بڑھانا

ہتھکڑی : وہ آہنی کڑا جو مجرم کے ہاتھ میں ڈالا جاتا ہے

ہتھیلی : پنجے کا اندرونی حصہ، کفِ دست

ہتیاچاری	:	پاپ کرنے والا، گناہ کرنے والا
ہجراں	:	جدائی
ہفتِ اقلیم	:	سات ملک، ساری دنیا
ہم راز	:	رازدان
ہم رکابی	:	ہم راہی، سواری کے ساتھ
ہم رکاب	:	ہم سفر، ہمراہ
ہم سر	:	برابر کا، ہم رتبہ
ہم عصر	:	ہم زمانہ
ہم نوا	:	ساتھ مل کر بولنے یا گانے والا
ہمہ	:	سارا، کل، تمام
ہمّت ہارنا	:	جی چھوڑنا، حوصلہ نہ رہنا
ہمّت	:	جرأت
ہودہ	:	عماری جو ہاتھی کے پیٹھ پر بیٹھنے کے واسطے رکھتے ہیں
ہوس	:	شوق، لالچ
ہیرا	:	الماس، ایک بیش قیمت سخت پتھر
ہیچ	:	بے معنی، بے حقیقت
یاری	:	دوستی
یارِجانی	:	دلی دوست
یزداں	:	خدا
یک سر ہونا	:	سر سے پاؤں تک ہونا
یک لخت	:	فوراً
یکہّ وتنہا	:	بالکل اکیلا
یلغار	:	دشمن کی فوج پر حملہ

محاورات

آنکھیں بند ہونا	:	مر جانا
آبدیدہ ہونا	:	آنکھوں میں آنسو بھرے رہنا
بابا آدم کے زمانے کا	:	بہت پرانے زمانے کا
پیٹ پالنا	:	معیشت کا سامان فراہم کرنا
رقت طاری ہونا	:	دل بھر آنا
ناز برداری کرنا	:	ناز نخرے اٹھانا
اسمِ بامسمّٰی	:	جیسا نام ویسے گن
دال گلنا	:	دال پک جانا، کامیاب ہونا
جی کھونا	:	تکلیف اٹھانا